قائم شدہ ۵۰-۱۹۴۹ء • ٹیلی فون: ۲۵۶۳۴

اتر پردیش سہکاری گنا سمیتی سنگھ لمیٹڈ

۱۲- رانا پرتاپ مارگ، لکھنؤ

اتر پردیش کی ۱۳۴ امداد باہمی گنا سمیتیوں کا عظیم ترین ادارہ گنا سنگھ اور ممبر سمیتیوں کے لگ بھگ ۲۱ لاکھ گنا پیدا کرنیوالوں کی خرید و فروخت کے مسائل کو حل کرتے ہوئے کھیتی اور گنے کی پیداوار بڑھانے کے تمام ضروری وسائل کو مہیا کرنے کے لئے ہر وقت کوشاں ہے

• چھوٹی آبپاشی کے وسائل کو فروغ دینا • کھاد کا استعمال بڑھانے کے لیے کھاد کے انبار خانوں کی تعمیر • مختلف قسم کے کیمیاوی کھاد • کھاد اور کیڑا مارنے والی دواؤں کا انتظام اور "ترقی یافتہ بیجوں کی تقسیم وغیرہ کے کام کو آسان بناتے ہوئے عمل در آمد کرانا اس ادارہ کا خاص کام ہے • جدید ترین مشینوں سے لیس گنا سنگھ کا پریس ممبر سمیتیوں کی چھپائی کی ضروریات کو پورا کرتا ہے

صدر یار جنگ

(یعنی نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کی سوانح حیات)

جس میں

تعارف ان کے حالاتِ زندگی، خصوصیات و کمالات، علمی ادبی خدمات تصنیفات، مختلف ملی و دینی تحریکات میں ان کا حصہ اور ضمناً ان تحریکوں اور اداروں کا ضروری تعارف بھی آگیا ہے اور اس طرح یہ کتاب ایک پورے دور کی تاریخ بن گئی ہے ---!

مع مقدمہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شمس تبریز خاں

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

مُسلم خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

شمارہ

Monthly

Rizwan

LUCKNOW

أمۃ اللہ تسنیم نمبر

مردانِ باخدا کے ملفوظات میں ایک گرانقدر اضافہ

صحبتے با اولیاء

عہدِ حاضر کے مشہور عارف باللہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

کے ملفوظات کا ایک حسین گلدستہ

مؤلف :- مولانا تقی الدین ندوی مظاہری ⁂ مقدمہ :- حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

پلا ساقیا! وہ مئے دلفروز سے کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز

اس کتاب میں حضرت شیخ مدظلہ العالی کے وہ مجلسی ملفوظات وارشادات ہیں جن سے اصلاحِ نفس، فکرِ آخرت اور ایمان ویقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور تصوف وسلوک کے رموز وآداب دلنشیں ہوتے ہیں۔

ان ملفوظات میں علمی تحقیقات کے علاوہ بزرگوں کے حالات اور حضرت شیخ مدظلہ کی زندگی کے سبق آموز واقعات بھی ہیں۔

مکتبۂ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم الله الرحمن الرحيم

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

رابطة العالم الإسلامي
الأمانة العامة
مكة المكرمة

الرقم ١٥٧٩
التاريخ ٢٢/٧/٩٦
المرفقات

صاحب السماحة الاستاذ الجليل السيد / ابوالحسن علي الحسني الندوي
سلمه الله تعالى

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته ، وبعد :-

فقد علمت من الاخ عبد الله عباس الندوي خبر وفاة السيدة الجليلة شقيقتكم الاخت امة الله رحمها الله وغفر لها واسكنها فسيح جناته . ولقد تاثرت لهذا النبأ المؤسف ولا نملك الا ان نبتهل الى الله ان يرحم الفقيدة ويلهمكم الصبر والسلوان وانا لله وانا اليه راجعون ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم
احسن الله عزاءكم واطال في عمركم لخدمة الاسلام والمسلمين
والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته ...

اخوكم
محمد صالح القزاز

ا/ب

۲۸۹۳
۵۶۶۰ھ

مسلم خواتین کا دینی ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

کا

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نمبر

نمبر ۲۰ | مئی و جون ۱۹۷۶ء | نمبر ۵-۶

ایڈیٹر: محمد ثانی حسنی
معاونین: امامہ حسنی۔ میمونہ حسنی
اس پرچہ کی قیمت: ڈھائی روپیہ

کیا اور کہاں

۱	پاکباز بندی	محمد حمزہ حسنی ندوی	۳
۲	قرآن آپ سے مخاطب ہے	محمد الحسنی	۸
۳	حدیث کی روشنی میں	مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی	۱۲
۴	حمد باری تعالیٰ	امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ	۱۵
۵	میری بہن امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۱۷

۶	دن خواب ہو گئے ہیں سکون و قرار کے	امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ	۵۳
۷	محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ	مولانا محمد رابع ندوی	۵۴
۸	کل نفسٍ ذائقۃ الموت	بیگم سید اصغر حسین	۶۱
۹	آج تسنیم پہ ہو تیرے کرم کی بارش	امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ	۶۳
۱۰	مرحومہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی علمی و ادبی خدمات	شمس تبریز خاں	۶۴
۱۱	میری بے زبان استانیاں	امۃ اللہ تسنیم صاحبہ	۷۵
۱۲	اپنی ہمشیرہ مرحومہ کی یاد میں چند تاثرات	مولانا ابو بکر حسنی	۸۰
۱۳	اللہ ترے در سے نہ جائے کوئی خالی	امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ	۸۴
۱۴	مل گیا زادِ سفر مجھ کو سفر سے پہلے	محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی	۸۵
۱۵	امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا جذبۂ دعوت و تبلیغ	محمد ثانی حسنی	۱۰۰
۱۶	آرزو ہو میری پوری	امۃ اللہ تسنیم صاحبہ	۱۰۵
۱۷	عائشہ بی	امامہ حسنی	۱۰۶
۱۸	امۃ اللہ تسنیم میری نظر میں	عبد الرحمٰن نور دلی	۱۱۳
۱۹	عائشہ بی کے شب و روز	میمونہ حسنی	۱۱۷
۲۰	بہن کے نام خط	ڈاکٹر سید عبد العلی مرحوم	۱۲۳
۲۱	اہل علم و قلم کی نظر میں	ادارہ	۱۲۵
۲۲	عائشہ بی مرحومہ کی یاد میں	محمد اسحٰق	۱۳۲
۲۳	خدا کو یہی منظور تھا	جعفر حسنی	۱۳۴

۲۱۹۳
۵۰۶۶۰

پاکباز بندی

محمد حمزہ حسنی ندوی

دین کی اشاعت و تبلیغ میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ اگر ہم اسلامی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں، عہدِ نبوی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ کا مطالعہ کریں تو ہم کو اس راہ میں اسلام کی سیکڑوں بیٹیوں کے نام درخشاں نظر آئیں گے۔

اسلام قبول کرنے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پہل کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگساری اور رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد جو تکلیفیں اور اذیتیں صحابہ کرام رض نے اٹھائیں ان میں بھی ایک خاتون حضرت سمیہ رضی کا نام نامی سرِ فہرست نظر آتا ہے، وہ اس راہ میں شہید ہوئیں۔

علم کا سلسلہ ہو تو اس میں سرِ فہرست حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام نامی نظر آئیگا حدیث شریف کی کسی بھی چھوٹی بڑی کتاب پر نظر ڈالی جائے تو اس میں جا بجا حضرت عائشہ رض کی روایت کردہ احادیث ملیں گی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے بعض گوشے صرف حضرت عائشہ رض ہی کے ذریعہ ہم تک پہونچے ہیں۔

اسی طرح جہاد کا میدان بھی کبھی مسلمان خواتین سے خالی نہیں رہا، غزوۂ بدر غزوۂ احد اور حنین وغیرہ میں (جن میں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی) مسلمان عورتوں نے بھی شرکت کی۔ زخمیوں کو پانی پلانا، ہتھیاروں کی فراہمی وغیرہ عورتوں کا مستقل کام تھا اور ضرورت پڑنے پر وہ کافروں سے جہاد بھی کرتی تھیں۔ اور غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ایک یہودی کو قتل کرنا مشہور واقعہ ہے۔

اللہ کے راستہ میں قربانی دینے کا موقعہ آیا تو تاریخ گواہ ہے کہ عورتوں نے مردوں کے شانہ بشانہ قربانیاں دیں اور ایک خاتون حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے چار بیٹوں کو اسلام پر قربان کر دیا اور اس عظیم ماں کے عظیم بیٹے شہادت سے سرفراز ہوئے غزوۂ احد کے موقعہ پر ایک صحابیہ کا یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے کہ انکے بھائی باپ اور شوہر تینوں شہید ہو گئے، اور ان کو خبر دی گئی تو انھوں نے اسکو کوئی اہمیت نہ دی بلکہ انکی زبان پر یہی تھا کہ یہ بتاؤ حضورؐ کیسے ہیں۔

عہدِ صحابہ میں سب سے پہلی بحری مہم جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوئی اس میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئی کیمطابق حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا شریک تھیں۔

عبادت وریاضت اور محبت الٰہی میں بھی خواتین کبھی پیچھے نہیں رہیں، صحابہ کے مبارک زمانہ سے اور نیچے آئیے تو حضرت رابعہ بصریؒ کا نام اس بارے میں ایسا تابندہ اور درخشندہ ہے کہ کوئی شخص جس کا دین سے تعلق ہوگا وہ اس نام سے ناواقف نہیں رہ سکتا

اگر ہم زمانۂ بعید کو چھوڑ کر اپنے دور سے قریب آئیں تو حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی والدہ اور حضرت سید احمد شہید کی والدہ" اللہ انکی قبروں کو نور سے بھر دے" کے تذکرے ہمارے سامنے ہیں ــــ

یہ تو چند مثالیں ہیں جو پیش کی گئی ہیں ورنہ پوری تاریخ خواتین اسلام کے تذکرہ سے بھری ہے۔

انسان کا کام کوشش کرنا ہے مدد تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ دین کا درد اور اسکے لیے قربانی کرنے کا جذبہ اور دین کی حفاظت کی خاطر جان کی بازی لگا دینے کی توفیق دیتا ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ ہر طرف مادیت کا غلبہ اور دین سے دوری پیدا ہو چلی ہے جدھر دیکھئے انسان دنیا کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ دین د

مذہب کو ایک ثانوی چیز اور اسکو موجودہ زمانہ کے لیے ایک ناقابلِ عمل چیز سمجھا جانے لگا ہے۔ یہ دور ایسا ہے کہ جب کہ اچھے اچھوں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ اسی بات کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے دین کی پابندی کر لیں یہی انکے لیے بہت ہے، تو ایسے نازک وقت میں جب کوئی اللہ کا بندہ یا بندی سامنے آتی ہے ماحول سے ٹکراتی ہے اور تند و تیز لہروں میں دین کی کشتی کو کھیتے ہوئے اس کو پار لگانے کی کوشش کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا بڑا بلند مرتبہ اور اسکا شمار ان نیک بندوں میں ہوگا جو انسانیت کا عطر ہوتے ہیں

امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ نے اللہ کے نیک اور مجاہد بندوں کی راہ پر چل کر اپنی پوری زندگی دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے وقف کر رکھی تھی اپنی بستی میں رہکر تصنیف و تالیف کے علاوہ انھوں نے عورتوں میں جو اصلاح کا کام کیا وہ ہمارے اس دور میں ایک مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تسنیم صاحبہؒ کو جو دین کا جذبہ عطا کیا تھا اور اسکے لیے پوری زندگی کام کرنے کا جو حوصلہ اور ہمت عطا کی تھی اس سے انھوں نے پوری طرح کام لیا۔

دنیا کی حالت اور دین کی طرف سے بے اعتنائی دیکھ کر ان کا درد مند دل بیتاب ہو جاتا تھا اور وہ ان کو سکون سے زندگی گذارنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ نے عافیت کی زندگی اختیار کرنے کے بجائے، مادیت، الحاد اور بے دینی کے طوفان سے مورچہ لینا زیادہ پسند کیا اور سنت نبوی پر چلتے ہوئے بے دینی اور الحاد کے خلاف جہاد شروع کر دیا اور ساری زندگی اسی راہ پر چلتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔

وہ ہفتہ میں ایک دن عورتوں کا جلسہ کرتی تھیں جس میں قرب و جوار کی عورتیں

شریک ہوتیں اور دین کی باتیں سنتیں، ان جلسوں سے بہت دینی فائدہ ہوا، جو عورتیں ان جلسوں میں شریک ہوتی تھیں وہ آج تک ان ایمانی محفلوں کو حسرت سے یاد کرتی ہیں۔

انھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ بھی دین کی خدمت کی جس کی گواہ ان کی تصنیف کردہ کتابیں زادسفر موج تسنیم قصص الانبیاء، ہمارے حضور، اور مضامین ہیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں اور اپنے دردمند دل کی تڑپ کو انھوں نے جس انداز بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ والہانہ انداز میں اشعار کی صورت میں ڈھالا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا بھی خدا کی محبت میں ڈوب جاتا ہے اور وہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ یہ تڑپ، یہ کسک اور یہ سوز دروں کاش اسکو بھی نصیب ہوتا تو اس کی زندگی بھی سوارت ہوجاتی۔

جب سے لگی تری لگن زندگی زندگی ہوئی ‏ ‏ ‏ دل کو سکون بھی ملا روح میں تازگی ہوئی

اسی طرح ان کا دل عشق نبوی سے لبریز تھا اور کس مسلمان کو حضور سے محبت اور تعلق نہیں ہوتا مگر جو الہانہ انداز اور سوز دروں ان کے یہاں پایا جاتا تھا وہ کم دیکھنے میں آیا ہے۔ نعت خوانی، شعر و شاعری میں سب سے دشوار صنف ہے یہ ایسا پل صراط ہے کہ انسان ذرا سا پھسلے تو کہیں کا کہیں پہونچ جائے مگر اللہ کی توفیق جسکے شامل حال ہو وہ کبھی نہیں بہکتا امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے جس خوبی سے یہ راستہ طے کیا وہ اپنی آپ مثال ہے انکے نعتیہ اشعار کی مثال عشق و محبت نبوی سے ایسے لبریز جام سے دی جاسکتی ہے جو چھلکتا نہیں

ان کی شخصیت کی تاثیر کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ ہندستان کے کونے کونے سے ان کے پاس خطوط آتے تھے جن میں اپنی گھریلو مشکلات کا ذکر ہوتا تھا دینی مسائل دریافت کیے جاتے تھے۔ ان میں امور خانہ داری، ازدواجی زندگی کی مشکلات دین و دنیا کے مسائل ہوتے تھے جن کا وہ تشفی بخش جواب دیتیں اور سائل مطمئن ہوتا ۔

یہ ایک پاک نفس خاتون اور اللہ کی نیک بندی کا کارنامہ تھا جو اس نے اللہ کی راہ میں انجام دیا اور اسکے لیے عیش و آرام کو خیر باد کہا۔ پھر بھی وہ آخر تک یہی سمجھتی رہیں کہ اب بھی کچھ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

اردو دانوں کے لئے بہترین تحفہ

عربی میں نعتیہ کلام

مولانا ڈاکٹر سید عبداللہ عباس صاحب ندوی (مقیم حجازِ مقدس) کی تازہ تحقیق "عربی میں نعتیہ کلام" جس میں مشہور و مقبول نعت گو صحابی رسولؐ حضرت حسان بن ثابت سے لے کر موجودہ صدی کے عرب نعت گو شعرا، کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے، عربی اشعار کے ساتھ شستہ اردو ترجمہ نے عربی داں اور اردو داں دونوں کے لیے یکساں کشش پیدا کردی ہے۔ یہ کتاب عربی کے مشہور ادیب، عالم بزرگ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مقدمہ سے مزین ہے۔ (واضح رہے کتاب اردو میں ہے) قیمت صرف دس روپیہ، محصول ڈاک تین روپیہ پچاس پیسے۔ طلبہ کے لیے محصول ڈاک معاف، یکمشت پچیس روپیہ بھیجنے پر تین کتابیں رجسٹری سے بھیجی جائیں گی، محصول ڈاک معاف ہوگا

ملنے کا پتہ: مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ

بقیہ صفحہ ۱۱: ۔۔ اور جنت کے داخلہ میں کوئی فاصلہ اور حجاب باقی نہیں رہتا اور یہ نوید جانفزا اسکو رخصت ہونے سے پہلے ہی ملجاتی ہے، تفسیروں میں آتا ہے کہ مومن کی روح قبض کرتے وقت فرشتے یہی آیت پڑھتے ہیں اور اسی پیام بشارت پر اس کی روح بہت سہولت اور سبک روی کے ساتھ نکلتی ہے۔

قرآن آپ سے مخاطب ہے

محمد الحسنی

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

اے اطمینان والی روح لوٹ جا اپنے رب کی طرف اس حالت میں کہ تو اس سے خوش اور راضی ہے اور خدا تجھ سے خوش اور راضی ہے، پس شامل ہو جا میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

یہ سورۂ والفجر کی آخری آیت ہے جس میں پاکیزہ روح کے (جسکو اللہ تعالیٰ نے اطمینان اور شرح صدر کی دولت سے نوازا ہے) سفر آخرت کا تذکرہ ہے۔ اور بہت محبت بھرے اور شفقت آمیز انداز میں، اس لیے کہ یہ روح جس جسم اور قالب میں رہی تھی، اس نے دنیا میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کی تھیں، خدا کی رضا و خوشنودی کے لئے بہت سی ناگوار باتوں اور تلخیوں کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا تھا، جب لوگ اس کے سامنے دادِ عیش دے رہے تھے اسوقت اس نے اپنے نفس کی لگام شریعت اور حکم الٰہی کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ دل کی احتیاط بھی کی تھی، نگاہ کی بھی اور ہاتھ پیر کی بھی، آج انعام لینے کے لئے دنیا سے اس کی رخصتی کا وقت ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نفس مطمئنہ آج تو اپنے

پروردگار کے پاس (جس نے تجھے گناہ سے توبہ تک، اور توبہ سے اطمینان و یقین کی منزل تک پہونچایا) اس حالت میں حاضر ہو کہ تو خدا سے راضی اور تیرا خدا تجھ سے راضی ہے پس جا شامل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

قرآن مجید میں نفس انسانی کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں، ایک نفس آمّارہ، دوسرے نفس لوّامہ، تیسرے نفس مطمئنہ جس کا بیان ابھی گزرا ہے۔ نفس آمّارہ کے معنی ہیں برائی کا حکم دینے والا، لوّامہ کے معنی ہیں ملامت کرنے والا۔ دونوں جگہ تشدید کا صیغہ زور دینے کے لئے استعمال کیا گیا ہے یعنی بہت برائی کا حکم کرنے والا اور اسی طرح بہت ملامت کرنے والا۔

نفس آمّارہ کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں گزرا ہے، اور بہت خاص اور ایسے انداز میں، امرأۃ العزیز یعنی شاہ مصر کی بیوی کے ساتھ شاہی محل میں جو قصہ ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ جب صفائی کا مرحلہ آیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور بے گناہی ثابت ہوئی، اسوقت حضرت یوسفؑ نے عبودیت کے اظہار کے طور پر فرمایا۔ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا، بلاشبہ نفس انسانی برائی کا بیحد حکم دینے والا اور برائی کی طرف راغب کرنے والا ہے، سوائے اسکے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ بے شک میرا رب معاف کرنے والا رحیم ہے)۔

بعض مفسرین اور علماء اس قول کو امرأۃ العزیز کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن اکثر حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔ اور واقعہ

یہ ہے کہ اندازِ کلام، شانِ عبودیت اور اپنے مضمون و مفہوم کے اعتبار سے ایک نبی ہی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

نفس لوّامہ کا ذکر سورہ قیامہ کے شروع میں آتا ہے: لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ہ (میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی، اور قسم کھاتا ہوں نفس لوّامہ، یعنی ملامت کرنے والے نفس کی)

یہ تینوں مرحلے اسی ترتیب سے انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اصلاحِ نفس سے پہلے اس کی جو کیفیت ہوتی ہے، اس کو نفس امّارہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس میں گناہ کی رغبت ہوتی ہے، اور دل میں بار بار برائیوں کا تقاضہ اور ابھار پیدا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اسی کے ساتھ اور کبھی اسکے بعد نفس لوامہ کا مرحلہ آتا ہے۔ جب انسان کا ضمیر اس کو برے فعل پر بار بار ملامت کرتا ہے، ٹوکتا ہے اور چٹکیاں لیتا ہے، اس کا تجربہ بھی ہم میں سے ہر شخص کو کم و بیش ضرور ہوگا، اگر وہ اس مرحلہ سے بھی کامیابی کے ساتھ گزر گیا تو پھر اس مجاہدہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسکو اطمینانِ قلب، شرح صدر، یقین، اعتماد علی اللہ اور تعلق باللہ صبر و شکر اور تسلیم و رضا کی دولت سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن مجید میں دوسری جگہ اس طرح کہا گیا ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ (یاد رکھو کہ اولیاء اللہ کے لئے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ کسی چیز کا غم کرتے ہیں)

امام ابن القیم نے امام ابن تیمیہ کے حوالے سے ایک جگہ لکھا ہے کہ: اِنَّ فی الدنیا جنۃ من لم یدخلھا لم یدخل جنۃ الآخرۃ کہ اس دنیا میں بھی ایک جنت ہے جو یہاں رہ کر اس میں داخل نہ ہو وہ آخرت کی جنت میں بھی داخل نہ ہوگا۔ یہ

جنت وہی اطمینانِ نفس کی دولت ہے جو اخلاص، کسی قدر صبر اور نفس کشی، حسن نیت ایمان و احتساب، اور خدا کی یاد اور ذکر سے حاصل ہوتی ہے، اور ہر مومن اپنے حالات اور ماحول میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آخرت کی جنت سے پہلے دنیا کی اس جنت میں داخل ہوسکتا ہے۔ نفس مطمئنہ کا مطلب دراصل وہ نفس ہے جس نے خدا کی یاد، خدا کی حضوری اور اس کی رضا و خوشنودی سے پورا سکون پالیا۔ اور بڑی سے بڑی لالچ اور کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی اسکے اطمینانِ قلبی میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس موقع پر راضیۃ مرضیہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی اس حالت میں اپنے رب کی طرف (جس نے شروع سے لے کر آخر تک تیری پرورش کی اور اس بلند مقام تک پہونچایا) واپس ہوکر تو بھی راضی ہو اور تیرا خدا بھی راضی دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول اور خاص بندوں کا وصف قرآن مجید میں انہیں الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ) (اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں) یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ اسوقت جب وصال کا وقت ہے اور بندہ کی مزید دلداری اور ناز برداری مقصود ہے، اس کی رضا کا لفظ پہلے آیا ہے۔ اس سے تسلیم و رضا محبت و جاں نثاری اور اس نسبت الٰہی کی ترجمانی و عکاسی بھی ہوتی ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت اللہ کے مخلص و مقبول بندوں میں پورے جوش اور کمال پر ہوتی ہے۔ اور اطمینان نفس کی وہ کیفیت جو ان کی پوری زندگی میں جلوہ گر تھی، اس لمحہ میں نقطۂ عروج پر پہونچ جاتی ہے، اسکے بعد اللہ کے ان خوش نصیب بندوں کے ساتھ شمولیت (جو ایمان کے ساتھ دنیا سے گئے)

(بقیہ ص ۲ پر)

حدیث کی روشنی میں

عزیزوں کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

مولانا برہان الدین سنبھلی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ (احزاب) یعنی تمام انسانوں کیلئے آپکی زندگی نمونہ اور قابلِ اتباع ہے۔ انسانی زندگی گوناگوں قسم کے حالات اور مختلف اطوار کا مجموعہ ہے۔ جس میں خوشی بھی ہے غمی بھی، راحت بھی ہے کلفت بھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہر قسم کے حالات اور ہر طرح کی صورت حال کے لئے مشعلِ راہ ہے، اسی ارادۂ خداوندی سے آنحضرتؐ پر ہر قسم کے حالات طاری کیے گئے چنانچہ آپ کو قریب ترین اعزہ حتیٰ کہ جگر گوشوں کی وفات کے صدمے سے بھی دوچار کیا گیا تاکہ زندگی کے اس موڑ پر بھی آپ اعلیٰ ترین نمونہ پیش کر سکیں اور آپ کا اتباع کرنے والوں کو اس بارے میں بھی کسی دوسری طرف دیکھنا نہ پڑے۔

ویسے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پاکیزہ زندگی میں، ماں، دادا، کئی چچا،

چچازاد بھائی، بھتیجی، بیوی، لاڈلی بیٹیوں، پیارے نواسوں، نواسی اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے قریبی اعزہ کی وفات کے صدمے سہنے پڑے اور آپ کی مقدس زندگی کے تمام حالات کی طرح۔ ان حادثات پر آپ کے تاثرات کا ریکارڈ بھی کتب احادیث اور ذخیرۂ سیرت و روایات میں پوری طرح محفوظ ہے، سب کا نقل کرنا اسوقت نہ مقصود ہے نہ اس کی فرصت، بس یہاں صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت ابراہیم کی وفات کے سانحہ پر جو طرز عمل آپ نے اختیار فرمایا اسے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ حدیث کی تمام معتبر ترین کتابوں، جن میں صحیح بخاری و مسلم بھی ہیں۔ یہ واقعہ اس طرح ملتا ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی انّا (دودھ پلانے والی بوا) کے شوہر ابو سیف لوہار کے گھر گئے آنحضرت نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو (گود میں) لے کر دُلار کیا، اور بوسہ لیا، پھر اسکے بعد ان کے گھر ہم جو گئے تو دیکھا کہ ابراہیمؑ کی سانس اکھڑی ہوئی ہے اس منظر کو دیکھ کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں آپ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عبد الرحمان بن عوف (مشہور صحابی رسول) نے تعجب سے کہا۔ اللہ کے رسول! آپ بھی (روتے ہیں)

اس پر نبی رحمتؐ نے فرمایا! میاں ابن عوف! یہ (دل کا بھر آنا) نرمیٔ قلب کی علامت ہے اسکے بعد پھر آپؐ کے آنسو بہہ نکلے (اور اسی حالت میں) یوں ارشاد فرمایا:۔ اگرچہ آنکھ اشکبار ہے اور دل سوگوار، مگر زبان سے وہی کہیں گے جس سے

بقیہ حدیث کی روشنی میں

پروردگا خوش ہو، اور اے لخت جگر ابراہیم! تمہاری جدائی سے ہم سب غمگین ہیں۔ بخاری کا واقعہ کو غور سے پڑھیے اور دیکھیے اس سے زیادہ جامعیت اور خلق و خالق کے حدود کی رعایت کہیں اور ڈھونڈھے سے بھی مل سکے گی۔ اگر جگر گوشہ کی وفات پر بھی صدمہ نہ ہوتا تو کہا جاتا۔ اور کہنے والے حق بجانب ٹھہرائے جاتے، کہ دل نہیں تھا پتھر کا ٹکڑا تھا تو ہم ایسا دل کہاں سے لائیں جو انھیں نمونہ بنائیں۔ یہ دینِ فطرت کے داعی کے لیے عیب کی بات ہوتی، ہنر نہ ہوتا۔ اب بڑے سے بڑا رقیق القلب اور حساس دل رکھنے والا بھی اتباع سے منہ موڑنے کی گنجائش نہیں پا سکتا۔ اور اگر صدمہ سے نڈھال ہو کر یہ کیفیت ہوتی کہ عقل و خرد کا دامن چھوٹ جاتا تو "فرزانے" کہہ اٹھتے میاں! ایسے کی پیروی کی ہمیں دعوت دیتے ہو!۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی صدمہ اور حادثہ کے اثر سے خود بخود دل بھر آئے اور آنکھیں نم ہو جائیں تو اسمیں مضائقہ نہیں، البتہ بہ تکلف رونا، اور واویلا مچانا خدا سے گلہ شکوہ کرنا ممنوع ہے یہی مطلب ہے اس فرمان رسول اللہ صلعم قلبی رنج اور آنسوؤں پر سزا نہیں دیگا البتہ زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اسکی وجہ سے عذاب دیگا

لکھنؤ آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہے

بہترین ہندوستانی و مغلئی کھانوں کے لیے۔ مشہور نام

زم زم ہوٹل

واجبی قیمت بہترین ذائقہ

غیر شرعی اجزاء سے پاک غذا

زم زم ہوٹل مولوی گنج لکھنؤ

زم زم ہوٹل، مولوی گنج، لکھنؤ

حمدِ باری تعالیٰ

از ——— امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

تری حمد مجھ سے ہو کیا بیاں تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ
ترا ذکر راحتِ قلب و جاں تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تری حمد پوری محال ہے جو کہوں تو خامِ خیال ہے
تو خود آپ اپنی مثال ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تری ذات اعلیٰ صفات ہے ترا نام آبِ حیات ہے
تری یاد وجہ نجات ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ترا عرشِ اعلیٰ مقام ہے پہ دلوں میں تیرا قیام ہے
یہ زباں پہ تیرا ہی نام ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ترا جلوہ شمس و قمر میں ہے ترا جلوہ لعل و گہر میں ہے
ترا جلوہ قلب و نظر میں ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تو یہاں وہاں تو کہاں نہیں کوئی ہو مقام تو جہاں نہیں
کوئی راز تجھ سے نہاں نہیں تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کوئی ذات ایسی بھلا کہاں جو سفر حضر میں ہو مہرباں
تو ہے سب کا ہر جگہ پاسباں تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ہے مقام عرش پہ جلوہ گر، پہ دلوں کے راز سے باخبر
ہے زمیں کی تہہ پہ تری نظر تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ہے جہاں میں تیرا ہی رنگ و بو ہے بسا خیال میں تو ہی تو
ہے زبانِ قلب پہ ذکر ہو تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

نہ نگاہِ ظن تجھے پا سکے نہ خیال ہی میں تو آ سکے
وہ ہے کون تاب جو لا سکے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ترا اسمِ گرامی حمید ہے ترا نام نامی مجید ہے
تری ذاتِ گرامی وحید ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تو خبیر ہے تو علیم ہے تو لطیف ہے تو حلیم ہے
تو رؤف اور رحیم ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تو سمیع اور بصیر ہے تو مجیب ربِ قدیر ہے
تو علی ہے اور کبیر ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تو مربی اور کفیل ہے تو شفیق ہے تو وکیل ہے
ترا اسمِ پاک جلیل ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ترا ذکر کیسا عزیز ہے تری یاد کتنی لذیذ ہے
ترا نام خود ہی عزیز ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تری حکمتوں کا ہو کیا بیان تری قدرتوں کے ہیں سب نشاں
یہ زمین اور یہ آسماں تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ہیں انعام تیرے جو اے خدا انھیں گن سکے کوئی کیا بھلا
ترے فضل کی نہیں انتہا تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

وہ ہوائیں گرم ہیں تیز تر کہ تپش سے تپ گئے بحر و بر
لگی لوٹنے خاک زمین پر تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

جو بہار آئی چمن چمن تو کھلے گل و لالہ و نسترن
ہے زبانِ طوطی کے یہ سخن تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کہیں کوٹھیاں ہیں سجی ہوئی کہیں شادیانے ہیں بج رہے
کہیں ماتم صف ہے بچھی ہوئی تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

لبِ جاں مریض بحال ہو کوئی اچھے بیٹھے نڈھال ہو
اسے روکے کس کی مجال ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کوئی موت سے نہ بچا سکا نہ مرے کو کوئی جلا سکا
نہ نوشتہ کوئی مٹا سکا تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کیا زور خوب نہ جا سکے نہ ہی چاند ہی میں وہ سما سکے
کسی شے پہ قابو نہ پا سکے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کوئی عشق میں ترے فنا ہوا کوئی کفر ہی پہ مرا جیا
جسے چاہا جیسا بنا دیا تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کوئی شاہ کوئی امیر ہے کوئی در کا مارا فقیر ہے
ترے حسن کی ایک نظیر ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

یہ زمیں بنی وہ بنے فلک یہ بشر بنے وہ بنے ملک
ہے ہر ایک شے میں تری جھلک تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

جو فلک پہ مہر مبین ہے تو یہاں یہ مظہر دین ہے
ترا وہ رسولِ امین ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

نہ وہ حسن شمس و قمر میں ہے نہ وہ خوبی لعل و گہر میں ہے
نہ وہ شان کوئی بشر میں ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

یہ وہ ذات عالی مقام ہے کہ تمھارے بعد ہی نام ہے
مرا لاکھ بار سلام ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

یہ چند شعر ہوے ادا ہو قبولیت کا شرف عطا
بہ طفیل حضرت مصطفےٰ تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ترا فضل فضلِ عظیم ہے ترا لطف لطفِ عمیم ہے
تری ذات ذاتِ کریم ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تجھے واسطہ اپنی ہی ذات کا مجھے کر دے ایسے صفات کا
جو سبب ہو میری نجات کا، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میری بہن

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی

ان کی کتاب زندگی کا سب سے قیمتی ورق

اور

سب سے نورانی عنوان ان کا

دردِ دل، ذوقِ دعا، ان کے دل کی بیتابی، ان کی آنکھوں کی اشکباری

اور

ان کی دن رات کی آہ و زاری ہے۔

جو

ظاہراً تو ان کے خصوصی حالات کا نتیجہ لیکن حقیقتاً ان کے اظہار بندگی کے لیے

سامانِ غیبی، ان کی ترقی اور رفع درجات کا بہانہ ہے۔

مبارک ہیں وہ مقدمات جو ایسے نتائج پیدا کریں — اور

مبارک ہیں وہ حالات و کیفیات جو اس طرح مالک کے سامنے رلائیں اور

اشکوں کے دریا بہائیں

جن کو سنکر

خدا کی رحمت جوش میں آئے — اور

پتھر دل بھی پانی ہو۔

میری بہن امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ★

پورے نصف صدی پچاس سال کی بھائی بہن کی محبت، یکجائی، رنج و خوشی میں شرکت، مطالعہ و کتب بینی میں رفاقت، تحریر و تصنیف میں صلاح و مشورے پھر بیچ کی طویل معیت اور آخر میں علالت اور دنیا سے رحلت کی طویل و پر اثر کہانی، پھر ایک غمزدہ بھائی کی زبانی، جس کے دل پر اس حادثہ کی چوٹ لگے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے، بڑا مشکل کام ہے۔ تاریخ اور سیر و سوانح کے بلا مبالغہ ہزاروں صفحے سیاہ کرنے کے بعد بھی قلم کو اس کہانی کے لکھنے میں دشواری پیش آرہی ہے کہ شاید اس میں "جگ بیتی" سے زیادہ "آپ بیتی" کا حصہ ہو اس کہانی کے سنانے سے بہت سے ایسے واقعات اور مناظر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں، جن سے داغِ کہن تازہ ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں۔ اور دل کو تھامے بغیر ان کی کہانی سنانا اور لکھنا ممکن نہیں۔

پچاس سال کی مدت بھی اس خیال سے کہی کہ یہ عقل و شعور کا زمانہ ہے ورنہ بچپن کے ابتدائی سال بھی اگر اس میں شامل کر لئے جائیں تو یہ مدت اور بھی طویل ہو جاتی ہے، مجھ میں اور مرحومہ میں چھ سال کی چھوٹائی بڑائی تھی۔

ان کی ولادت ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (۱۰ر جون ۱۹۰۸ء) بروز جمعرات

ہوئی اور میری ولادت ۶ محرم ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) کو ہوئی۔ ۱۹۲۰-۲۱ء کے لگ بھگ کوئی زمانہ ہوگا، لکھنؤ امین آباد کے اس محلہ میں جس کو اس وقت بازار جھاؤلال کہتے تھے اب اس کے سرے پر "محمد علی لین" کا پتھر لگا ہوا ہے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کا بالکل لب سڑک مکان اور مطب تھا۔ اب بھی خدا کے فضل سے وہ مکان ہمیں لوگوں کے استعمال میں ہے، اسی میں ہمارا چھوٹا سا گھرانا رہتا تھا۔ یہ ماں باپ اور چار بھائی بہنوں پر مشتمل تھا۔ دو بھائی اور دو بہنیں، بڑے بھائی جو بعد میں ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب بی۔ اے، ایس۔ سی، ایم بی بی ایس۔ ناظم ندوۃ العلماء کے نام سے نامور ہوئے۔ ان سے چھوٹی ایک بہن امۃ العزیز صاحبہ والدہ عزیزان مولوی محمد ثانی، محمد رابع، محمد واضح سلمہم (اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے کہ وہی اب ہمارے چھوٹے سے خاندان کی برکت اور بزرگوں کی یادگار ہیں۔ ان سے چھوٹی امۃ اللہ تسنیم صاحبہ، جن کو خاندان میں عائشہ بی کی عرفیت اور نام سے سب جانتے اور پکارتے تھے۔ اور جو اب خدا کے جوار رحمت میں پہنچ گئی ہیں سب سے چھوٹا یہ راقم سطور تھا۔ جس کی عمر اس وقت چھ سات سال کی تھی۔

یوں تو گھر خدا کے فضل سے متعدد افراد خاندان مستقل و عارضی مہمانوں سے ہمیشہ بھرا رہتا تھا۔ اور اس کی وجہ سے گھر میں رونق اور چہل پہل کی کمی نہ تھی۔ قرب مسافت اور اصل وطن ہونے کی وجہ سے رائے بریلی سے بھی اعزہ کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ لکھنؤ کے بعض دیندار شریف گھرانوں سے بھی بالخصوص نواب سید نور الحسن خاں صاحب مرحوم بھوپالی فرزند اکبر والاجاہ

امیر الملک نواب سید صدیق حسن خاں صاحب بہادر کے گھر سے عزیزانہ و برادرانہ مراسم تھے۔ اور آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ لیکن ایک باپ کی اولاد یہی چار بھائی بہن تھے۔

والد صاحب کا سارا وقت تصنیف و تالیف، مطب اور ندوۃ العلماء کی نظامت کے کاموں میں گذرتا تھا۔ وہ طبیعت کے بڑے کم گو، خاموش اور مشغول انسان تھے۔ الگ تھلگ ایک کمرے میں رہتے تھے۔ سراپا شفقت و محبت ہونے کے باوجود ہم لوگ ان سے بے تکلف نہ تھے۔ جب خاندان کے کوئی بزرگ آجاتے تو اکثر ہم سب بھائی بہن جمع ہو جاتے اور ان کو ہنستا بولتا دیکھتے۔ بڑے بھائی صاحب لکھنؤ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے۔ اور میڈیکل کی تعلیم خصوصاً اس زمانہ میں) ایسی محنت طلب تھی کہ ان کا سارا وقت مطالعہ و تیاری اور میڈیکل کالج کی آمد و رفت میں گذرتا تھا۔ میں یہ کہنا بھول گیا کہ ہم چار بھائی بہنوں کے علاوہ اس مختصر خاندان کی ایک فرد ہماری بھاوج اہلیہ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب تھیں۔ جو اپنی نیک دلی، بے نفسی اور محبت کی وجہ سے گویا ہماری بہنوں ہی میں ایک اضافہ کرتی تھیں۔ میری بڑی بہن کی شادی ہوگئی تھی۔ وہ اکثر اپنی سسرال رائے بریلی اور بھاوج صاحبہ اپنے میکہ ہسوہ چلی جاتیں۔ اور کئی کئی مہینے بھی دونوں کا وہاں قیام رہتا۔ اس لئے زیادہ تر واسطہ اور یکجائی انھیں مرحومہ بہن سے تھی۔

ہمارا گھرانہ علماء و مصنفین کا گھرانہ ہے۔ والد صاحب اپنے زمانے کے عظیم مصنفوں میں تھے خاندانی و موروثی اثرات بڑے طاقتور ہوتے ہیں۔ وہ نسل در نسل

نقل ہوتے رہتے ہیں اور بچوں اور بچیوں سب میں ان کے اثرات کم و بیش پائے جاتے ہیں۔ کچھ یہ آبائی اثر، کچھ والد صاحب کا ذوق و انہماک ہمارے سارے گھر پر یہ کتابی ذوق سایہ فگن تھا۔ کتب بینی کا یہ ذوق، ذوق سے بڑھ کر لت اور بیماری کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ کوئی چھپی ہوئی چیز سامنے آجائے تو اس کو پڑھے بغیر چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ ہم بھائی بہنوں کو جو تھوڑے سے پیسے دست خرچ کے لئے ملتے یا خاندان کے کوئی بزرگ جاتے ہوئے، اس زمانے کے خاندانی رواج کے مطابق بچوں کو روپیہ دے جاتے۔ اس کا ایک ہی محبوب مصرف تھا کہ اس سے کوئی کتاب خرید لی جائے۔ اس سلسلے میں خود میری ایک دلچسپ کہانی سنتے چلئے کہ میرے پاس اس طرح کچھ پیسے آگئے۔ وہ ایک دو آنے سے زیادہ نہ تھے۔ میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب "کتب فروشوں" ہی کے یہاں ملتی ہے۔ اور ہر چیز کی دکان الگ ہوتی ہے۔ میں امین آباد گیا گھنٹہ گھر والے پارک کے سامنے بڑی دکانوں کی جو قطار ہے اس میں کسی دوا فروش کی دکان پر پہنچا غالباً "سالومن کمپنی" تھی۔ میں نے پیسے بڑھائے کہ کتاب دیجئے۔ دکان پر کام کرنے والے صاحب نے سمجھا کہ کسی شریف گھرانہ کا بھولا بھالا بچہ ہے۔ کیمسٹ کی دکان پر کتاب کیا ملتی، دواؤں کی فہرست اردو میں تھی۔ انھوں نے وہی بڑھا دی اور پیسے بھی واپس کر دیے، میں بھولے نہیں سماتا تھا کہ کتاب بھی مل گئی اور پیسے بھی واپس آگئے۔ خوش خوش گھر پہنچا۔ اور اس سے اپنے چھوٹے سے اس کتب خانہ کو سجایا، جو والد صاحب کے یہاں کی ان کتابوں سے بنایا تھا۔ جو ان کے بیکار تھیں۔ اور وہ ردی میں ڈال دیتے تھے

یہی شوق میری دونوں بہنوں کا تھا۔ کتاب بغیر ان کو چین نہیں آتا۔ اس زمانے میں ایک کتاب فروش ہماری گلی میں آتے تھے۔ اور صدا لگاتے تھے ہرنی نامہ، نور نامہ، حلیمہ دائی کی کہانی، معجزہ آل نبیؐ، میلاد نامہ وغیرہ وغیرہ ان کی صورت ابھی تک آنکھوں میں ہے، وہ ان کتابوں کے اشعار گا گا کر بھی پڑھتے تھے۔ ادھر ان کی آواز کانوں میں آئی، ادھر ان دونوں بہنوں کی طرف سے حکم ملا کہ فلاں کتاب لے آؤ۔ دوڑا دوڑا گیا اور کتاب خرید لایا۔ ہمارا گھرانہ عقائد و مسلک میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا سختی سے پیرو تھا۔ اور ان کے اثرات ایسے رچ بس گئے تھے کہ بے اصل اور غیر مستند چیزیں جن سے عقائد میں خلل پڑتا ہو۔ گھر میں بار نہیں پاتی تھیں۔ مردوں سے زیادہ عورتیں عقیدہ کے بارے میں سخت تھیں۔ اس لیے معجزہ آل نبیؐ وغیرہ جیسی کتابوں کا تو یہاں گزر نہ تھا۔ البتہ سیرت، بزرگوں کی حکایات، اور بے ضرر دلچسپ کتابیں خواہ نظم میں ہوں یا نثر میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں۔ ان کتابوں کی قیمت ہی کیا تھی کسی کے دو پیسے، کسی کے چار پیسے، بہت قیمت ہوئی تو دو آنہ چار آنہ۔ دونوں بہنوں میں سے کسی نے ترنم کے ساتھ مزے لے لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اور جب تک کتاب ختم نہ کر لی ان کو چین نہ آیا۔ اسی زمانے کا سنا ہوا حضرت حلیمہ دائی کا قصہ آج تک دل پر نقش ہے، اس کے ابتدائی چار شعر یہ ہیں:ـ

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی
جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی
وہ کچھ اس رمز سے آگاہ نہ تھی
اس کی قسمت میں یہ دولت تھی لکھی

نور اللہ کو لائی گھر میں
یعنی اس شاہ کو لائی گھر میں
واہ کیا طالع بیدار ملے
جس کو کونین کے سردار ملے

اس سیدھی سادی نظم نے جس کے کہنے والے کا نام بھی معروف نہیں اس پاک محبت کے دل کی زرخیز سرزمین میں ابتدائی بیج ڈالے پھر جب سیرۃ ابن ہشام میں یہ عزیز و لذیذ حکایت جس میں راوی نے اپنے معمول سے زیادہ دراز نفسی سے کام لیا ہے ۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

پڑھی تو وہ معصوم زمانہ جب پر اثر کی تکرار جمتیں ہوں یاد آگیا۔

بات میں بات یاد آتی ہے جب ۱۹۲۹ء میں رسالہ "الندوہ" استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی کے حکم سے تیسری مرتبہ جاری کیا گیا اور میں اور مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ تو مجھے یہ بات سوجھی کہ مشہور اہل علم اور اہل قلم سے فرمائش کروں کہ اپنی محسن کتابوں کا تذکرہ کریں، اور ان کی سیرت کی تشکیل و تعمیر میں ان کا جو حصہ ہے اس کو مضمون کی شکل میں "الندوہ" کے لیے قلم بند فرمائیں۔ بہت سے مشاہیر اہل علم نے اس موضوع پر خامہ فرسائی فرمائی۔ اور اپنا مضمون بھیج کر "الندوہ" اور اس کے نوعمر ایڈیٹروں کی عزت بڑھائی۔ ان میں صدر محفل نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی اور شریک بزم مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی۔ مولانا

عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری ندوی مرحوم، مولانا عبدالعزیز میمن جیسے فاضل یگانہ اور جدید طبقہ میں سے خواجہ غلام السیدین، میاں بشیر احمد بی اے (آکسن) ایڈیٹر "ہمایوں" لاہور جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اہل قلم تھے۔ اس انجمن میں بعض ایسے علم و فضل نے بھی از راہ کرم شرکت فرمائی تھی جن کے مضامین عام طور سے رسائل و مجلات میں شائع نہیں ہوتے تھے۔ مثلاً مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم، مولانا اعزاز علی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مشاہیر کے نام جب خطوط روانہ کئے گئے تو ایک خط ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم (سابق صدر جمہوریہ ہند) کی خدمت میں بھی بھیج دیا گیا۔ جو اس وقت شیخ الجامعہ تھے اور ہم دونوں پر بڑی عنایت فرماتے تھے۔ غالباً مصروفیت کی وجہ سے وہ اس فرمائش کی تعمیل نہ کرسکے۔ ایک مرتبہ وہ مجھے کسی سفر میں ملے۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! آپ نے محسن کتابوں پر کچھ نہ لکھا؟ انھوں نے اپنے خاص کریمانہ انداز میں معذرت کی اور کہا بھائی! میں کیا لکھوں، میری سب سے بڑی محسن کتاب "حلیمہ دائی کی کہانی" ہے جو میں نے بچپن میں سنی اور پڑھی تھی۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ مطالعہ کی کتابوں کی قطار میں اور کتابوں کے انبار میں سب سے بڑی محسن کتاب وہی ہے جو سب سے بڑے محسن سے کسی قسم کا ربط قلبی اور غلامی کی نسبت قائم کردے۔

یہیں پر یہ بھی سناتا چلوں کہ اسی زمانے میں جب "الندوہ" میں میری "محسن کتابیں" کے عنوان سے یہ سلسلہ مضامین شائع ہو رہا تھا۔ میرے کہنے سے یا اپنے شوق سے ہمشیرہ مرحومہ نے بھی اسی موضوع پر مضمون لکھا۔ جس کا "میری

بے زبان استانیاں" سا بولتا ہوا عنوان تھا۔ ان کا مضمون جالندھر کے سنجیدہ زنانہ رسالہ "مسلمہ"[1] میں چھپا۔

کتابوں کی خریداری میں صرف اسی کتب فروش ہی کے ذخیرہ پر بس نہ تھی جس کی گٹھری وہ اپنی بغل میں داب کر لاتے تھے۔ بلکہ مجھے وقتاً فوقتاً حکم ملتا رہتا تھا میں "صدیق بک ڈپو" سے جو ہمارے قریب سب سے بڑی کتابوں کی دکان تھی۔ ان کی انتخاب کی ہوئی کتابیں خرید لاؤں، یہ سب کتابیں جو کبھی نظم میں ہوتیں اور کبھی نثر میں، مشترک طور پر پڑھی جاتیں۔ اسی زمانہ میں سیرت پاک پر اردو کے چھوٹے بڑے رسالے پڑھے گئے اور دل و دماغ میں پیوست ہو گئے ان کے نام تو اب یاد نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ ان کے پڑھنے سے اس زمانے کے رواج کے مطابق مجھے میلاد یا سیرت کا جلسہ کرنے کا شوق ہوا۔ اپنے ہم سن بچوں کو مدعو کیا۔ اور ان کو دعوت دینے خود گھر گھر گیا۔ انھیں بہنوں میں سے کسی نے میرے سر پر چھوٹی سی پگڑی باندھی۔ عمر یہی آٹھ نو برس کی رہی ہوگی۔ انھیں کتابوں میں سے میں نے کوئی کتاب لے کر پڑھنی شروع کی۔ "قابلیت" کا یہ حال تھا کہ حضور کے دادا سردار قریش "عبد المُطَّلِب" کو "عبد المُطْلَب" پڑھ رہا تھا۔ والد مرحوم خاموشی سے آکر ایک طرف اوٹ میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کا دل یہ منظر دیکھ کر کتنا باغ باغ ہو رہا ہوگا۔ کہ اللہ نے عشق نبوی کا ان کو حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور اسی سے ان کی تحریروں میں آب و رنگ ہے ان کے لیے کیا کم خوشی کی بات تھی کہ ان کا

[1] یہ مضمون اس خصوصی نمبر میں بھی نقل کیا جا رہا ہے۔

کمسن بچہ اس ذکر خیر میں مصروف ہے جو ہر خیر و برکت کا سرچشمہ ہے اور اس طرح وہ خود اپنا طالع بلند اور اپنا بخت بیدار کر رہا ہے۔

حکایت از قدِ آں یارِ دل نواز کنیم
بایں بہانہ مگر عمرِ خود دراز کنیم

نعتوں میں سب سے زیادہ، امیر مینائی اور محسن کاکوروی کی نعتیں، ان بہنوں کی زبان پر جاری تھیں۔ خاص طور سے حضرت محسن کی مشہور نظم ؎

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

بہت پڑھی جاتی تھی۔ کتابوں میں مسدس حالی گویا ورد زبان تھی۔ اور اس کا بڑا حصہ ان دونوں بہنوں کو تقریباً حفظ تھا۔ اس زمانے میں شرفا اور پڑھے لکھے لوگوں کا کوئی گھر بھی اس کتاب کے مطالعے اور نغمہ خوانی سے خالی نہ تھا۔

اسی زمانے میں ایک کتاب جو شاید میں نے اردو نصاب کی ایک کڑی کے طور پر پڑھی ہوگی۔ وہ ہمارے ہاتھ آئی اور وہ مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی کتاب "سفینۂ اردو" تھی۔ اس چھوٹی عمر میں اس کتاب کے منتخب مضامین اور نظموں نے جو اردو کے بہترین انشاء پردازوں اور شاعروں کے قلم سے تھے۔ ہمارے دل و دماغ پر بڑا اثر ڈالا خاص طور پر مولانا ظفر علی خاں کی نظم "راجہ دسرتھ کی کہانی ان کی زبانی" جس میں انھوں نے بڑے پر اثر انداز میں راجہ دسرتھ کے ہاتھ سے ایک رشی کے لڑکے (جو اپنے بوڑھے باپ کے لئے پانی لینے صبح تڑکے دریا پر گیا تھا۔ اور ان کے تیر سے گھائل ہو گیا تھا) کی دلدوز کہانی سنائی ہے۔ اس میں ان کی شاعری کا جوہر اور پر اثر مناظر و جذبات کی تصویر کشی کا کمال اپنے پورے عروج پر ہے۔ ہم دونوں بھائی بہنوں نے

مزے لے لے کر یہ کہانی بار بار پڑھی اور عجب نہیں کہ اس کے بعض بعض حصوں پر ہمارا دل امنڈ آتا، اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہوں، اس نظم کا مطلع تھا۔

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی

اس کے بعد ان کی دوسری نظم کا نمبر تھا۔ اور وہ موسیٰ ندی کے طوفان والی نظم تھی جس کا مطلع تھا۔

اے نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا
الٹا ہے تو نے تختہ یاران آشنا کا

ہم لوگ خود کئی بار دریائے گومتی کے کنارے بسنے کی وجہ سے جس میں بہت زبردست سیلاب آتے ہیں۔ اس تجربے سے گذر چکے ہیں۔ اس لیے اس مصیبت کا اندازہ کر سکتے تھے۔ جو موسیٰ ندی کے سیلاب کی زد میں آنے والوں پر گذری ہوگی۔ اس مجموعہ کے مضامین نظم و نثر کے بار بار پڑھنے سے ہم لوگوں کے اندر اچھی عبارت اور اچھے شعر کا لطف لینے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

ہمارے گھر خدا کے فضل سے مہمانوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ ان کی کوئی تعداد اور وقت مقرر نہ تھا۔ اس زمانے میں شرفا کا دستور تھا۔ کہ اگر کسی خاندان کا کوئی گھر کسی شہر میں ہو تو اس خاندان کے افراد خواہ دور کے عزیز ہوں یا قریب کے۔ کسی ضرورت سے بھی ان کا شہر میں آنا ہو تو وہ اسی گھر کے مہمان ہوں گے۔ ان مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرنا اکیلی اماں کے بس کا کام نہ تھا۔ جو کھانا پکانے کیلئے ملازم تھی۔ اس کا بوجھ سب سے زیادہ میری انھیں چھوٹی بہن پر پڑتا تھا۔ والدہ صاحبہ نے جن کو

کھانا پکانے، سینے پرونے اور کشیدہ کاری میں بڑی مہارت تھی۔ اور اس میں نئی نئی ایجادیں اور اختراعیں کرتی رہتی تھیں۔ بہن کو ان کاموں کے لئے خوب تیار کر دیا تھا۔ اور اکثر ان کی جفاکشی اور وقت بے وقت محنت پر بھائی صاحب کو ترس آجاتا۔ اور کبھی کبھی ہمت افزائی کے لئے وہ ان کے پاس بیٹھ جاتے۔ اور ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتے۔

ہم لوگوں کے گھروں میں لڑکیوں کی تعلیم گھروں ہی میں ہوتی تھی۔ ہمشیرہ نے اس وقت تک ساری تعلیم والدہ صاحبہ اور اپنے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب ندوی سے پائی تھی۔ جو قرآن شریف، اردو اور کسی قدر فارسی سے آگے نہ تھی۔

۲ر فروری سنہ ۲۳ء کو وہ حادثہ پیش آیا جو ہمارے چھوٹے سے گھرانے کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ والد صاحب مرحوم کے اچانک انتقال کا واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل "حیات عبدالحی" میں لکھ چکا ہوں، اس سے ہمارے گھر کی بساط الٹ گئی اور گویا دنیا ہی بدل گئی لکھنؤ چھوڑ کر، جہاں اب رہنے کا کوئی مطلب نہ تھا۔ ہمارا سارا گھر اپنے وطن رائے بریلی منتقل ہو گیا۔ جہاں گھر، خاندان، سب موجود تھا۔ عین انتقال کے وقت صرف میں اور میری یہ دو بہنیں موجود تھیں۔ بھائی صاحب لکھنؤ سے ایک ہزار میل دور مدراس و حیدرآباد میں تھے۔ یہ سب کچھ ایسا آناً فاناً ہوا جیسے کوئی خواب دیکھا ہو۔ اب رائے بریلی میں ہم دونوں کے دو ہی بڑے مشغلے تھے۔ والدہ صاحبہ کو ایسے مضامین اور کتابیں پڑھ کر سنانا جن سے ان کے دل کو تسکین و قوت حاصل ہو، اور غم غلط ہو۔ دوسرے خود لکھنے پڑھنے میں مشغول ہونا اس زمانہ میں ہمارے خاندان میں دہلی کا رسالہ "الواعظ" آتا تھا جو کوئی مولوی اسحاق دہلوی نکالتے تھے، اس سے بڑی مدد ملی۔ کتابوں میں سب سے زیادہ

مقبول و محبوب کتاب "صمصام الاسلام" تھی۔ یہ واقدی کی عربی کتاب فتوح الشام کا منظوم ترجمہ ہے جس میں تقریباً پچیس ہزار شعر ہیں۔ گویا یہ اس وقت کا سب سے مشہور و مقبول "شاہنامہ اسلام" تھا۔ یہ کتاب اسی خاندان کے ایک بزرگ راقم سطور کے والد کے پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی ٹونکی کی نظم کی ہوئی ہے جو بڑے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ اور جذبۂ جہاد اور جوش اسلامی ان کو اپنے جد امجد سید احمد شہیدؒ سے ورثہ میں ملا تھا۔ کتاب کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ جہاد برپا ہے۔ تلواریں چمک رہی ہیں۔ مجاہدین ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے لڑ رہے ہیں۔ اور راہ خدا میں جان دے رہے ہیں۔ کتاب کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے والے کی آواز گلوگیر اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اور سننے والوں کو سر و پا کا ہوش نہیں رہتا۔ ہمارے خاندان میں مدت سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ کسی حادثہ یا تقریب کے موقع پر گھروں میں کوئی خاتون جو اس کتاب کو روانی سے پڑھ سکتیں پڑھتیں۔ اور خاندان کی سب بی بیاں اور بچیاں سنتیں۔ ہمارے خاندان میں اس کے پڑھنے میں دو کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ بڑی بوڑھیوں میں میری حقیقی خالہ صالحہ بی بی کو جو قرآن کی جید حافظہ بھی تھیں اور ان مرحومہ بہن کو۔ آخر آخر تک یہ کتاب ہمشیرہ کو بہت عزیز رہی۔ اور اس سے انھوں نے اپنے مضامین اور شعر گوئی میں فائدہ اٹھایا۔

اسی زمانہ میں انھوں نے کہیں مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب سیرۃ عائشہؓ کا اشتہار دیکھا، اب یاد نہیں کہ بھائی صاحب مرحوم نے اس کتاب کا تذکرہ کیا یا اس کے اشتہار پر نظر پڑی۔ بہر حال ہمشیرہ نے اس کو حاصل کیا اور حرز جان

بنا لیا۔ اس سے مناسبت کی کئی کھلی وجہیں تھیں۔ ایک تو ہمنامی کا شرف و افتخار دوسرے حضرت صدیقہؓ کا علمی کمال و امتیاز جس کی ان کے دل میں شروع سے قدر و منزلت تھی۔ بہر حال اس کتاب کو انھوں نے پڑھا ہی نہیں۔ بلکہ اس کے مضامین کو اپنے اندر اتار لیا۔ اور جذب کر لیا۔ اور وہ ان کی بڑی رہنما کتاب ثابت ہوئی۔ اسی زمانے میں (اور عجیب نہیں اسی کتاب کا فیض ہو۔) انھوں نے عربی پڑھنا شروع کی۔ میری عربی زبان کی تعلیم کا بھی یہ دور طفولیت تھا۔ مگر میں گھر کے باہر نامور اور باکمال اساتذہ سے پڑھتا تھا جن میں امام فن شیخ خلیل عرب یمنی بھوپالی کا پایہ سب سے بلند تھا۔ اس اس لئے میں ان کی تھوڑی بہت مدد کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ سب سے بڑی مدد ان کو اپنے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب حسنی سے ملی تھی۔ جو گرمیوں کی چھٹیوں میں لاہور سے وطن آتے تھے۔ ان کو علم کو گھول کر پلا دینے کا ملکہ تھا۔ صرف و نحو کے ضروری مسائل کی مشق کرانے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اور ان کے اس میں عجیب عجیب چٹکلے تھے۔ ان کو تاریخ اور شعر و شاعری کا بھی بڑا اچھا ذوق تھا۔ ہمشیرہ کی طبیعت ہمیشہ سے موزوں واقع ہوئی تھی۔ اور موزونیت طبع کا یہ ورثہ ہم بھائی بہنوں میں صرف انھیں کو ملا تھا۔ گل رعنا گھر کی چیز تھی۔ اس کو انھوں نے اتنی بار پڑھا تھا گویا اس کی حافظ تھیں۔ خاندان میں بیت بازی کا رواج پرانا ہے اس میں اگر بے اعتدالی نہ ہو تو فائدے بھی بہت ہیں۔ اس میں ان سے مشکل سے کوئی بازی لے جاتا۔ اشعار کا انتخاب بہت صاف ستھرا تھا۔ آگے چل کر انھوں نے خاص اس موضوع پر کتاب بھی لکھی جو اساتذہ کے منتخب اور پاکیزہ اشعار کا بڑا اچھا مجموعہ بن گیا۔ ان کو کتابیں جمع کرنے کا شوق بہت تھا۔ گھر میں جو پرانی وضع کا بنا ہوا تھا، انھوں نے اس کے ڈرائنگ ایک

جگہ مقرر کرلی تھی، جہاں وہ اپنا کتابی ذخیرہ رکھتی تھیں۔

مطالعہ و تحریر کے اس شوق سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ دست کاری اور کشیدہ کاری سینے، پکانے کے ان کاموں سے ناواقف تھیں۔ یا ان کو ان کاموں سے وحشت تھی۔ جو بچیوں اور خواتین کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ان چیزوں میں بھی بڑی مشاق اور مستعد تھیں۔ اور اپنی ہم عمروں میں کسی سے کم نہ تھیں۔

۲۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کو ان کی شادی اپنے حقیقی ماموں زاد بھائی مولانا سید ابوالخیر صاحب حسنی سے ہوئی۔ یہ نسبت تو بہت قدیم تھی لیکن مختلف حوادث کی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی چلی گئی، پھر اس وقت تک ان کی عمر بھی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔

مرحوم اردو و عربی دونوں زبانوں کے ادیب تھے۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے صحت زبان، تحقیق، اہل لکھنؤ کے محاورات اور طرز گفتگو سے تھوڑے ہی لوگ اتنے واقف ہوں گے جتنے وہ واقف تھے۔ وہ اردو میں آبدار شعر بھی کہتے تھے۔ اور ان کو ایک بار دہلی کے ایک بڑے نمائش کے مشاعرہ میں سونے کا تمغہ بھی ملا تھا۔ شاعری میں وہ شمس لکھنوی اور مرزا ثاقب قزلباش کے شاگرد تھے۔ لیکن ادب و شاعری میں اپنی مخصوص رائے اور نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ اساتذہ اردو میں وہ سب سے زیادہ حکیم مومن خاں مومن کے قائل اور معتقد تھے اور ان پر انھوں نے کتاب بھی لکھی تھی۔

عربی لغت پر بھی ان کو بڑا عبور تھا۔ لیکن ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ تھا کہ ان کو سیکڑوں اور ممکن ہے کہ کئی ہزار احادیث صحیحہ متن و سند کے ساتھ یاد تھیں۔ ایسا سنا جاتا تھا کہ موطا ان کو پوری حفظ تھی۔ صحاح ستہ میں صحیح مسلم سے ان کو زیادہ شغف تھا۔ حدیث مع متن و سند ایسے دلکش انداز میں پڑھتے تھے کہ دل کھینچ لیتے۔

افسوس ہے کہ مخصوص انداز طبیعت اور حوادث کی وجہ سے ان کے کمالات پر پردہ ہی پڑا رہا بلکہ ان کی پوری زندگی حوادث و آلام کا شکار رہی۔ ہمشیرہ مرحومہ کی زندگی کے بہترین دن وہ چند ابتدائی سال تھے جو انھوں نے اپنے والد کے برابر شفیق ماموں اور خسر مولوی حافظ سید عبید اللہ صاحب مرحوم (فرزند حضرت سید شاہ ضیاء النبی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مئی ۱۹۳۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔) کے زیر سایہ بسر کیئے۔ بھائی سید ابوالخیر صاحب مرحوم نے یکم جون سنہ ۷۰ء میں انتقال کیا۔

بھائی مرحوم سے ان کی تین اولادیں ہوئیں۔ دو بچیاں اور ایک بچہ سالم، یہ سب شیر خوارگی ہی میں ان کو داغ مفارقت دے گئے۔ ایسا پڑھا لکھا جوڑا ہمارے خاندان میں مشکل سے ہوگا، لیکن ان کی قسمت میں ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر جن کا علم خدائے علیم و خبیر، رحیم و کریم کو ہے اور کسی کو نہیں۔ لطف و مسرت کے یہ دن سنہ ۴۳ء کو ختم ہو گئے۔ اور ان کو وہ داغ پیش آیا جو ہندوستان کی شریف خواتین کے لیے عام حالات میں ناقابل برداشت ہوتا ہے، لیکن انھوں نے اپنی قوت ایمانی اور کسی قدر علمی مشغلے اور ذوق کی مدد سے اس کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ ان کی زندگی کا یہ موڑ ان کی ہزاروں ترقیوں اور سعادتوں کا ذریعہ بن گیا اور ع

طے شود ایں جادہ بآہے گاہے

کا ظہور ہوا، ان کی تنہائی کی یہ بقیہ زندگی جو تیس پینتیس برس کا عرصہ ہے اپنے بھائیوں کے پاس گزری، اور اسی گھر کے دروازہ سے وہ آخری بار رخصت ہو کر

اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خاک ہو گئیں۔

یہ وہ زمانہ ہے جب ان کا وقت لکھنے پڑھنے اور خدا کے سامنے ہاتھ پھیلانے اپنا درد دل کہنے، دعا و مناجات، ذکر و اذکار، تلاوت قرآن اور تحریر و تصنیف کے سوا اور کسی چیز میں نہیں گزرتا تھا۔

آزمائش سخت تھی اور ان کا دل کمزور، دردمند اور حد درجہ حساس تھا۔ اس کا امکان تھا کہ ان کے دل و دماغ پر ایسا اثر پڑ جائے کہ اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ اس موقع پر بھائی صاحب مرحوم نے (جو شفیق بھائی بھی تھے اور حاذق طبیب بھی) ان کے علاج کے لئے ایک نسخہ تجویز کیا۔ جو طب نبوی سے ماخوذ تھا۔ انھوں نے ان کے ذہن کو مشغول اور قلب کو مطمئن کرنے کے لیے مشورہ دیا کہ وہ مشہور محدث امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) کی مشہور اور سراپا برکت کتاب "ریاض الصالحین" کو اردو میں منتقل کر دیں۔ یہ کتاب بھائی صاحب مرحوم کو بہت عزیز تھی اور انھیں کی تحریک سے وہ پہلی مرتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں شامل کی گئی اور اب وہ بلاد عربیہ کے دینی و دعوتی حلقوں کی مقبول ترین کتاب ہے، اس وقت تک اس کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن کام آسان نہ تھا۔ اصل کتاب متوسط سائز کے باریک مصری ٹائپ میں ساڑھے چار سو صفحات سے زیادہ میں آئی ہے، اس میں احادیث کی تعداد ایک ہزار نو سو تین (۱۹۰۳) ہے، اس میں صحاح کی وہ احادیث بھی ہیں جن کی شرح میں بڑے بڑے مشکل مقامات آتے ہیں۔ اور چوٹی کے علماء نے اس کی تشریح میں درجنوں اور بیسیوں صفحات رنگین کئے ہیں۔ انھوں نے حدیث باقاعدہ حدیث کے (کسی

مدرسہ اور دارالعلوم کا کیا ذکر) کسی استاذ سے بھی نہیں پڑھی تھی اور خانگی تعلیم و مطالعہ اور مدرسہ کی باقاعدہ تعلیم میں بڑا فرق ہوتا ہے، لیکن اللہ نے ان کو ہمت دی اور انھوں نے "زاد سفر" کے نام سے اس کا ترجمہ ذیلی عنوانات اور تشریحی نوٹس کے ساتھ مکمل کر لیا۔ یہ ترجمہ جس کا چوتھا ایڈیشن پیش نظر ہے دو حصوں اور آٹھ سو بہتر صفحات میں آیا ہے۔ اس وقت غور کرتا ہوں تو یہ بات ایک کرامت سی معلوم ہوتی ہے معلوم نہیں یہ مخلص بھائی کی کرامت تھی یا دردمند اور مجروح و شکستہ قلب کی جس کے متعلق ارشاد باری ہے انا عند المنکسرۃ قلوبھم (میں شکستہ دلوں کے پاس ہوتا ہوں) بہر حال اب جب حدیث کی اس ضخیم کتاب پر نظر ڈالتا ہوں جس نے انشاء اللہ ان کے اس سفر روحانی میں "سفینہ نورانی" کا کام دیا ہوگا۔ تو جلیل مانک پوری کا یہ مصرعہ بے اختیار یاد آجاتا ہے ؎

مل گیا زاد سفر مجھ کو سفر سے پہلے

مولانا شاہ حلیم عطا صاحب نے اس مسودے پر نظر ثانی کی اور مفید مشورے دیے اور ان کی خوش قسمتی تھی کہ فاضل یگانہ اور محقق زمانہ مولانا سید سلیمان ندوی نے ازراہ شفقت و عنایت (۱۵ شعبان ۱۳۶۵ھ کو) اس پر مقدمہ لکھا، انھوں نے اپنے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے

"ہم کو اس اظہار میں بڑی خوشی ہے کہ امام نووی کی اس کتاب "ریاض الصالحین کا ترجمہ اس گھرانے نے کیا ہے جس نے سنت نبوی کی اشاعت اور بدعت کے ازالہ کا کام ایک صدی پہلے سے شروع کر رکھا ہے۔ اور جن کے انوار و برکات ملک میں ہر جگہ نمایاں

ہیں، "اللھم زد فزد و لا تنقص"

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"مترجمہ موصوفہ نے ترجمہ میں زبان کی سلاست اور روانی کا لحاظ رکھا ہے جگہ جگہ حاشیے بڑھائے ہیں۔ ہر حدیث کا عنوان قائم کیا ہے جس سے حدیث کے مغز سخن تک پہونچنے میں ناظرین کتاب کو بڑی آسانی ہو جاتی ہے"

زاد سفر کا پہلا اڈیشن ۱۹۶۵ء کے وسط میں نکلا، کتاب کی غیر معمولی مقبولیت کا ایک اظہار تو بہت سے ان تعزیتی خطوط سے ہوتا ہے جو ان کی وفات پر موصول ہوئے ہیں۔ اور جن کے لکھنے والوں نے اس کتاب سے اپنے گہرے تاثرات اور استفادہ کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ شاید وہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں جن کی تصنیف جدہ کے سعودی ریڈیو اسٹیشن سے بالاقساط اردو کے پروگراموں میں نشر ہوئی اور رابطہ عالم اسلامی نے اس کے کئی نسخے خرید کر اردو بولنے اور سمجھنے والے ملکوں میں بھیجے اس لیے ذوق کا یہ مصرعہ بالکل ان کے حسب حال ہے ؎

تری آواز مکے اور مدینے

اس کتاب کے پہلے حصہ کا ہندی اڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے۔ یہ اڈیشن لکھنؤ کے ایک ہندی فاضل جناب نند کمار اوستھی نے خود شائع کیا ہے جن کا ہندی میں ترجمہ قرآن عرصہ ہوا چھپ کر پھیل گیا ہے ان کو یہ کتاب ایسی پسند آئی کہ انھوں نے مجھ سے اسے ہندی میں شائع کرنے کی اجازت مانگی۔ میں نے کہا کہ حدیث کی اچھی کتابیں اردو میں ہیں۔ آپ ان میں سے کسی بڑی کتاب کا

ترجمہ کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ میں اسی کتاب کو مفید سمجھتا ہوں۔ اور اسی کو ہندی میں شائع کرنا چاہتا ہوں۔ ان کی اس خواہش اور تقاضے پر اس کی اجازت دی گئی اور ہندی اڈیشن شائع ہو گیا۔

اس کتاب کی کھلی ہوئی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ اس کے مکمل کرنے کے بعد ہی اللہ نے ان کو سفر حج کی سعادت نصیب فرمائی۔ اور اس بارگاہ قدس میں پہونچایا جس کے کلام و پیام کی انھوں نے اپنی بساط بھر خدمت کی تھی۔ اس سفر کی کہانی بھی عجیب، موثر اور سبق آموز ہے

۱۹۶۷ء کے اپریل کا مہینہ ہوگا کہ مولانا محمد یوسف کاندھلوی امیر جماعت تبلیغ نے مجھے حجاز کیلئے رخت سفر باندھنے کا حکم دیا۔ اور طے کیا کہ میں وہاں کچھ مدت قیام کر کے اس دعوتی کام کو آگے بڑھانے اور علمی حلقوں میں متعارف کرانے کی کوشش کروں، جس کا آغاز چند ہی سال پہلے کیا گیا تھا۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ سامان سفر بھی کر دیا۔ ہمارے مخدوم اور سراپا شفقت بزرگ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے (اللہ تعالیٰ ان کی عمر و فیوض میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائیں۔) جن کی خصوصی نظر شفقت شروع ہی سے مجھ نا اہل پر رہی ہے یہ حکم دیا کہ میں والدہ محترمہ، اپنی اہلیہ اور خواہر زادہ عزیزی مولوی محمد ثانی کو بھی ساتھ لے لوں تاکہ دل جمعی کے ساتھ وہاں دعوت کے کام میں مشغول رہ سکوں، وہ گھڑی کبھی نہ بھولے گی جب ہمشیرہ مرحومہ جو اس سفر کی باتیں کئی دنوں سے سن رہی تھیں۔ اچانک میرے کمرہ میں داخل ہوئیں۔ اور بے قراری کے ساتھ رو دیئں اور کہا کہ علی! کیا تم ہم کو یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ مجھے خود گریہ کو ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ان کی زندگی کے

سارے واقعات میرے سامنے تھے۔ میں نے کہا نہیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ آپ اطمینان رکھیں، آپ جائیں گی تو ہم بھی جائیں گے ورنہ کوئی نہیں جائے گا۔ وہ سن کر خاموش چلی گئیں۔

میں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا لیکن مشکل یہ تھی۔ کہ اس وقت جب کہ جنگ ختم ہوئے اور حجاز کا راستہ کھلے ہوئے ایک ہی سال ہوا تھا۔ سفر کے لئے مسافروں کا کوٹہ مقرر تھا۔ درخواست دینی پڑتی تھی۔ پھر پرمٹ آتا تھا۔ اور وہی لوگ جا سکتے تھے۔ جن کا محکمۂ حج کی طرف سے پرمٹ آگیا ہو۔ ہم تین کے پرمٹ آچکے تھے۔ لیکن عزیزی محمد ثانی اور ہمشیرہ کے لیے اس وقت تک کوئی درخواست نہیں دی گئی تھی۔ اور قوی اندیشہ تھا کہ وقت نکل جانے کی وجہ سے ان کے لئے انکار ہو جائے۔ میں تن بہ تقدیر دہلی گیا، اس وقت لال شاہ گورنمنٹ آف انڈیا میں حج آفیسر تھے میں ان سے ملا، انھوں نے کہا کوٹے میں اب کوئی گنجائش نہیں۔ میں مایوس آرہا تھا۔ کہ انھوں نے پھر مجھے آواز دی اور کہا، مولانا! گنجائش تو نہیں ہے مگر ایک بات نجی طور سے کہتا ہوں کہ اگر آپ بندرگاہ پر پہنچ گئے تو گنجائش نکل آئے گی۔ جان میں جان آئی۔ میں نے لکھنؤ آکر بہن کو یہ مژدہ سنایا کہ اب آپ کی دعا کی ضرورت ہے۔ کراچی تک تو ہم سب ساتھ چلیں گے۔ آگے آپ کی دعا اور اللہ کی رحمت۔

وہ اس مشکوک صورت حال میں بھی چلنے کے لیے تیار ہو گئیں، ان کی گویا اسی دن عید ہو گئی۔ برسوں کے بعد ان کو خوشی کی ایک ساعت نصیب ہوئی تھی۔ وہ خوش خوش رائے بریلی اپنی بہنوں سے ملنے اور سب سے رخصت ہونے گئیں۔

بالآخر اس مبارک سفر کی گھڑی آگئی۔ جس کی داستان بڑی تفصیل سے میں نے اپنے مضمون "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" میں لکھی ہے جو رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی مقبول کتاب "آپ حج کیسے کریں؟" میں شروع سے شامل ہے اور جس کو پڑھ کر بہت سے بندگان خدا اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کر چکے ہیں۔ جی چاہے تو پوری داستان وہیں پڑھ لیجئے۔ میں یہاں صرف انھیں واقعات کا ذکر کروں گا جن کا تعلق ہمشیرہ مرحومہ سے ہے۔

۲۶ جون ۱۹۴۷ء (شعبان ۱۳۶۶ھ) کو یہ چھوٹا سا قافلہ جو ایک ہی گھر کے پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ پنجاب میل سے روانہ ہوا، سارا راستہ امید و بیم کی حالت میں گزرا راستہ میں ہمشیرہ جو زنانہ ڈبہ میں تھیں والدہ مرحومہ کی پراثر مناجاتیں پڑھ کر سناتیں جس میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کیا گیا تھا۔ لاہور کے راستہ ہم لوگ کراچی پہونچے۔ بمبئی ہم سے قریب تھا۔ لیکن وہاں اس وقت تک کسی سے تعارف نہیں تھا۔ کراچی کا انتخاب حاجی عبدالجبار صاحب کی وجہ سے کیا گیا جو دہلی کی پنجابی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ کراچی کے مشہور و معروف تاجر اور تبلیغی جماعت کے وہاں داعیِ اول اور سرگرم کارکن تھے۔ ان سے نظام الدین میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زندگی اور سایۂ عاطفت میں تعارف ہوا تھا۔ کراچی ہم لوگوں کا پہونچنا اچانک ہوا اب یاد نہیں کہ حاجی صاحب کو تار کیوں نہیں دیا گیا۔ رات تو ہم لوگوں نے جیسے تیسے حاجی کیمپ میں گزاری۔ پھر میں حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچا اور ڈرتے ڈرتے کہا کہ ہمارے ساتھ دو رفیق بغیر پرمٹ کے ہیں! واللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ سنتے ہی کہا، آپ کچھ فکر نہ کیجئے۔ سب کا انتظام

ہو جائے گا۔ اسی وقت اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ گاڑی لے کر جاؤ اور سب کو لے آؤ۔ اور بھائی صاحب (حاجی عبد الستار کے بھائی) ٹھہراؤ۔ اسی وقت شاداں و فرحاں یہ قافلہ حاجی عبد الستار صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ ان کی کوٹھی کا بالائی حصہ جو کئی کمروں پر مشتمل تھا ہم لوگوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اللہ ان دونوں بھائیوں کے درجے بلند فرمائے۔ اور کروٹ کروٹ آرام پہنچائے کہ حاجی عبد الجبار صاحب نے دلجوئی و رفاقت اور حاجی عبد الستار صاحب اور ان کے اہل خانہ نے خاطر داری اور ضیافت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ہم لوگوں کے ٹکٹ علوی جہاز سے تھے جو چھوٹا بھی تھا اور اس کی تاریخ بھی قریب تھی۔ ادھر ہمشیرہ مرحومہ نے مستورات کے بعض تبلیغی جلسوں میں اپنا کوئی دینی مضمون یا زادِ سفر کا کوئی حصہ پڑھ کر سنایا۔ ادھر میں بھی تبلیغی میدان میں اب سے زیادہ نمایاں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاجی عبد الجبار صاحب مرحوم نے یہ صائب مشورہ دیا (جس کی حکمت بعد میں معلوم ہوئی) کہ آپ علوی جہاز کے بجائے اسلامی جہاز سے سفر کریں، جو بڑا بھی ہے اور آرام دہ بھی اور جس کی روانگی سے پہلے ہم کو ہفتہ عشرہ مزید استفادہ کا موقع مل جائے گا۔ ان کے اصرار اور محمد شفیع صاحب قریشی مرحوم کی تائید سے جو اس وقت کراچی میں مقیم تھے اور تبلیغی جماعت کے صفِ اول کے کارکن تھے۔ ان کا مشورہ مان لیا گیا۔ جن لوگوں نے علوی جہاز سے سفر کیا انھوں نے سخت تکلیف اٹھائی اور بڑی تاخیر سے پہونچے، اس کے علاوہ اسلامی جہاز میں سفر کرنے میں کئی حکمتیں تھیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

اسلامی جہاز میں فرسٹ کلاس کا جو کیبن ہم کو ملا اس سے ملے ہوئے

۲۴۹۳
۵۶۶۰

دو کیبن میں بمبئی کے ایک بڑے میمن تاجر حاجی احمد اور ان کے خاندان کے لوگ تھے۔ وہاں بھی وہی پیش آیا جو کراچی میں پیش آیا تھا۔ جہاز میں تبلیغی اور دعوتی فضا تھی۔ مستورات کے الگ جلسے ہوتے تھے۔ وہاں کسی طرح جہاز کی مسافر خواتین کو معلوم ہو گیا کہ ہمشیرہ مصنف اور اہل قلم ہیں۔ اور دینیات سے واقف ہیں۔ بس کیا تھا ایک ہی دو مضامین کے بعد یہ خواتین ان کی گرویدہ ہو گئیں۔ ان سب سے زیادہ گرویدگی اور تعلق حاجی احمد صاحب کے خاندان کو خصوصیت کے ساتھ ان کی خوش دامن صاحبہ کو ہوا۔ وہ تو بالکل ماں کا سا سلوک کرنے لگیں۔ ہمشیرہ کا دل ہمیشہ سے کمزور تھا اور صدموں نے اور بھی کمزور کر دیا تھا سمندر میں طوفان تھا اور جہاز میں غیر معمولی حرکت اور آواز، ان کو اختلاج ہونے لگا اور دہشت طاری ہو گئی۔ اس موقع پر یہ نیک دیندار خاتون فرشتۂ رحمت بن کر سامنے آئیں۔ وہ ان کی ہر طرح سے تسلی کرتیں۔ اپنے کیبن میں لے جاتیں اور خاطر داری کرتیں۔ ان کی جدائی گوارہ نہ تھی۔ عقیدت و شفقت دونوں ان میں جمع تھی۔ یہ تعلق ایسا بابرکت اور پائدار ثابت ہوا کہ حج سے واپسی کے بعد اور ان مرحومہ کی وفات تک جو کراچی میں پیش آئی، انھوں نے اپنے خطوط، تحائف کا سلسلہ بند نہیں کیا۔ ہمشیرہ مرحومہ اس خاندان کی شرافت و محبت کو جب یاد فرماتیں تو ان کے ہر انداز سے ممنونیت کا اظہار ہوتا۔ اور ان کا رواں رواں آخر تک ان کے لئے دعا کرتا رہا۔ بندرگاہ پر اترنے میں بھی انھوں نے بڑی مدد کی اور حرمین شریفین میں بھی برابر وہ آتی جاتی، اپنے ساتھ لے جاتی تھیں ہم لوگوں کی واپسی پر بمبئی میں انھوں نے باصرار اس زنانہ قافلہ کو اپنی کوٹھی پر

ٹھہرایا۔ ہمشیرہ ہی نہیں بلکہ جن جن بچیوں سے ان کو خاص تعلق تھا ان کے ساتھ بھی وہ اپنی محبت کا اظہار کرتی رہیں۔ بمبئی ہی میں محمد ثانی سلمہٗ کے یہاں بچی کی ولادت کی اطلاع ملی۔ تو انھوں نے اس بچی کے لیے جو ماشاءاللہ اب خود دو بچوں کی ماں[1] ہے کپڑے اور کھلونے بھیجے، والدہ مرحومہ کی برکت یا ہمشیرہ مرحومہ پر اللہ کی رحمت کہ اس سفر میں قدم قدم پر اللہ کی مدد اور عنایت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا رہا۔

داستان طویل ہے۔ ہم لوگ پہلے مدینہ طیبہ گئے کہ ابھی حج کا زمانہ دور تھا۔ اللہ نے تقریباً پورا رمضان وہاں کا نصیب فرمایا۔ مرحومہ نے اس قیام کی خوب برکتیں لوٹیں۔ ذوق وشوق سے سلام پڑھتیں، مسجد شریف ہی کے قریب مدرسہ علوم شرعیہ کے ایک مکان میں ہم لوگوں کا قیام تھا۔ اس لئے پانچوں وقت نماز مسجد میں ہوتی۔ گنبد خضرا (علی صاحبہ الف الف سلام) بالکل سامنے تھا۔ ایک رات خاص اُحد میں میدان کارزار کے قریب مولانا سید محمود مدنیؒ، (برادر اصغر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ) کے مکان میں گزاری، اسی زمانہ کے لکھے ہوئے سلاموں کا مجموعہ الگ شائع ہوا۔ اور بہت مقبول ہوا۔ اور خدا کے بعض نیک مخلص بندوں نے اپنے تعزیتی خطوط میں اطلاع دی ہے کہ انھوں نے بعض مرتبہ ان کا لکھا ہوا سلام مواجہہ شریف میں پڑھا۔

ذلقعدہ کے آخری عشرہ میں مکہ معظمہ روانگی ہوئی۔ بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑی تو مرحومہ کی عجیب حالت ہوئی۔ تقریباً ایک مہینہ رباط ٹونک میں قیام رہا جو حرم شریف سے قدرے دور محلہ شامیہ میں ہے۔ لیکن نماز میں حاضری ہوتی

لہ جن کا نام آمنہ حسنی ہے اور جو اب معاون مدیر رضوان ہیں۔

رہی۔ اس میں عزیزی محمد ثانی کی ہمت اور خدمت کو بڑا دخل ہے۔ وہی ان مستورات کو لاتے اور لے جاتے، اس وقت حضرت شیخ کی دوربینی اور دوراندیشی کی تصدیق ہوئی۔

حج میں خاص طور سے میدان عرفات میں بڑی مشغولیت اور دعا و مناجات میں وقت گذرا۔ ان کا حال عرفات کی دعائے ماثورہ کے الفاظ کی تصویر تھا۔

انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق

(میں دکھیارا، محتاج، فریادی، پناہ چاہنے والا، لرزاں و ترساں)

حج کے بعد یہ قافلہ مدرسہ فخریہ میں اٹھ آیا۔ تو باب ابراہیم پر جو گویا بیت اللہ کے حدود ہی میں تھا۔ دیکھا کہ بعض اوقات مستورات امام حرم کے پیچھے ہی کمرے میں نماز پڑھ لیتیں۔ صفیں پیچھے وہاں تک آجاتیں، اکثر حرم شریف میں جانا ہوتا۔

تقریباً تین مہینے مکہ معظمہ میں قیام رہا۔ اس میں چھوٹا بڑا سب عمرہ انھوں نے کیا۔[1] غالباً صفر کے آخر (جنوری ۱۹۴۸ء کی شروع تاریخوں میں) جب ہندوستان تقسیم ہو چکا تھا۔ اور اس ملک کی آبادی خون کے دریا میں نہا کر نکلی تھی۔ ہم لوگوں کی بمبئی براہ کراچی واپسی ہوئی۔ اس لئے کہ ہم ٹکٹ کراچی تک لے کر تھے۔ اس سفر کا ذکر وہ مزے لے لے کر آخر تک کرتی رہیں۔ ہم بھائی بہن جب جمع ہوتے تھے اور ہمارے بھانجے بھتیجے اور ان کے بچے بچیاں (اللہ سب کو زندہ اور سلامت رکھے) آکر بیٹھ جاتے تو اکثر اسی مبارک سفر کا قصہ چھڑ جاتا۔ اور گویا

لہ تنعیم سے جو عمرہ ہوتا ہے وہ چھوٹا ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا فاصلہ کم ہے اور جعرانہ سے جو عمرہ ہوتا ہے وہ بڑا کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا فاصلہ زیادہ ہے۔

ذوق و سرور کا ایک دفتر کھل جاتا۔

حج سے آنے کے بعد ان کا سب سے اہم اور مقدس مشغلہ والدہ صاحبہ مرحومہ کی خدمت اور ان کی مدد تھی جو روز بروز ضعیف اور معذور ہوتی جا رہی تھیں۔ اور عمر کے آخری برسوں میں ان کی بصارت بالکل جاتی رہی' یہ کام مشکل بھی تھا اور نازک بھی۔ ہر وقت کی ذمہ داری، ضعف و معذوری کے تقاضے اور لوازمات اور ماں کا معاملہ، یہ انھیں کی سعادت و ہمت تھی کہ انھوں نے آخری دم تک اس کو ایسی خوبی سے نباہا اور "فلا تقل لھما اُفٍّ ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما"۔ پر ایسا عمل کیا کہ وہ اس دنیا سے مسرور و مطمئن اور ان کے حق میں دعاگو گئیں۔ یہ ایک دو سال کا معاملہ نہ تھا۔ تقریباً دس برس ضرور اس مسلسل اور صبر آزما خدمت کے گزرے۔ یہ ان کی زندگی کا ایک روشن باب ہے۔ اور آخرت کی زندگی کا ایک بڑا قیمتی ذخیرہ' رضوان کے ایک خصوصی نمبر میں جو والدہ صاحبہ کے انتقال پر نکلا تھا ان کا جو مضمون شائع ہوا تھا اس میں اس دور کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے غریب خانہ رائے بریلی تشریف لائے تھے۔ تو انھوں نے والدہ محترمہ اور خاندان کی دوسری بیبیوں اور بہنوں کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت اور توبہ کی تھی۔ پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی تجدید کی۔ اور آخر وقت تک ان سے محبت و عقیدت کا تعلق رہا۔ خط و کتابت کی بھی نوبت آئی۔ انھوں نے ایک مرتبہ مولانا کی خدمت میں ایک بڑا درد انگیز اور پر اثر خط لکھا تھا اور دعا و توجہ کی درخواست کی تھی۔ مولانا نے اس کا غیر معمولی شفقت اور نہایت خصوصیت کا جواب دیا تھا جو

میری نظر سے گذرا تھا۔ اس کے لفظ لفظ سے ان کے گہرے تاثر اور بزرگانہ شفقت کا اظہار ہوتا تھا۔ اس میں انھوں نے ان کو بڑی تسلی دی تھی۔ اور اظہار ہمدردی فرمایا تھا۔ ہماری بڑی بہن اور گھر کے کئی افراد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے بیعت و تربیت کا تعلق رکھتے ہیں۔ ہمشیرہ مرحومہ کو بھی حضرت شیخ سے خصوصی عقیدت تھی۔ اور ایک مرتبہ انھوں نے خادمانہ شکوہ کیا کہ وہ بڑی بہن کو (جن کی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا) تنہا سلام لکھتے ہیں اور دعا دیتے ہیں۔ حضرت شیخ نے اس کے بعد التزام کر لیا کہ ہر خط میں ان کو ضرور سلام لکھیں اور دعا میں شریک رکھیں۔

ہمشیرہ مرحومہ نے اس زمانہ میں متعدد دینی مضامین اور رسالے لکھے۔ مجھے جب خدا نے عربی میں بچوں کی زبان میں مدارس کے ابتدائی نصاب کے لیے تین حصوں میں انبیاء علیہم السلام کے قصے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی جو قصص النبیین للاطفال کے نام سے شائع ہوئے تو انھوں نے اس کا آزاد ترجمہ کیا جو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے اور بچوں کی قصص الانبیاء کے نام سے شائع اور مقبول ہو چکا ہے۔ بھائی کو تو اس وقت تین ہی حصے لکھنے کی توفیق ہوئی لیکن بلند ہمت بہن نے چوتھا اور پانچواں حصہ لکھ کر اس سلسلے کو مکمل کر دیا۔ چوتھے حصے میں حضرت شعیبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام وغیرہ کے قصے ہیں۔ اور پانچواں حصہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مشتمل ہے جو "ہمارے حضورؐ" کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ اب پورے تیس برس کے بعد اس عاجز کو چوتھا، پانچواں حصہ لکھنے کی توفیق ہوئی جو ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

ہمارے خاندان میں ایک دعائیہ نظم بڑی مقبول اور مروج ہے، پریشانی اور اکثر وظیفہ کے طور پر بڑے ترنم اور رقت سے پڑھی جاتی ہے۔ یہ خاندان کی مستورات اور لڑکیوں کو زبانی یاد ہے۔ یہ کسی غیر معروف لیکن برگزیدہ شاعر کی لکھی ہوئی ہے جن کا تخلص ہاتف تھا۔ اس میں خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ایک نام لے کر اس سے دعا کی گئی ہے۔ یہ لعت عظمیٰ کے نام سے مشہور تھی ہمشیرہ مرحومہ کو اس سے خاص طور پر شغف تھا، انھوں نے اس کو "مناجات ہاتف" کے نام سے شائع کرایا اس کتاب کی اشاعت بھی ان کے حسنات میں سے ہے۔

اس زمانہ میں ایک مشغلہ ان مناجاتوں اور اشعار کا نقل کرنا بھی تھا، جو والدہ مرحومہ موزوں کرتیں۔ وہ خود نہیں لکھ سکتیں، اس لئے لکھاتیں۔ یہ کام زیادہ تر انھیں کو کرنا پڑتا تھا۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اپنی بڑی بہن کے گھر کا انتظام بھی جو ماشاء اللہ بڑا اور آباد گھر ہے، اپنے شوق سے اپنے ذمہ لے لیا اور ان کو تقریباً اس فکر سے فارغ کر دیا۔ اپنا دل بہلانے اور خدمت کے جذبہ سے انھوں نے روزمرہ کی ضروریات کا سامان بھی رکھنا شروع کیا۔ اور اس طرح تجارت کی ایک سنت بھی ادا ہوگئی۔ اس سے ان کو اکثر اوقات بڑی پریشانی اٹھانی پڑتی تھی، اکثر یہ سامان قرض پر جاتا تھا۔ اور ان کی بڑی بڑی رقمیں لوگوں کے ذمہ رہ جاتی تھیں۔ کئی مرتبہ ان سے کہا گیا کہ وہ یہ ترددادر دردسری کیوں مول لیتی ہیں۔ وہ اس کا جواب دیتی تھیں کہ ہم یہ سامان نہ رکھیں تو لوگوں کو پریشانی ہو جائے گی۔ اس سے وقت بے وقت لوگوں کا کام چل جاتا ہے۔ اور عزیزوں کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ ہم لوگوں کا مسکن شہر سے دور ہے اور قریب

کوئی بازار اور دوکان نہیں۔

دسمبر ۵۶ء سے عزیزی مولوی محمد ثانی سلمہ اور ان کی ادارت میں مسلمان بچیوں اور عورتوں کا دینی رسالہ "رضوان" نکلنا شروع ہوا، اس سے ان کو لکھنے پڑھنے کا اور مشغلہ ہاتھ آگیا، اس میں وہ برابر مضامین لکھتیں اور ان کی نظمیں اس میں شائع ہوتیں۔ یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔

یہ تو سب ان کی کتاب زندگی کے ضروری باب اور عنوان ہیں۔ جو سوانح نگاری کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن ان کی کتاب زندگی کا سب سے قیمتی ورق اور سب سے نورانی عنوان ان کا دردِ دل، ذوقِ دعا، ان کے دل کی بیتابی، ان کی آنکھوں کی اشکباری اور ان کی دن رات کی آہ و زاری ہے جو ظاہراً تو ان کے خصوصی حالات کا نتیجہ لیکن حقیقتاً ان کے اظہار بندگی کے لیے سامان غیبی، ان کی ترقی اور رفع درجات کا بہانہ ہے۔ مبارک ہیں وہ مقدمات جو ایسے نتائج پیدا کریں اور مبارک ہیں وہ حالات و کیفیات جو اس طرح مالک کے سامنے رلا گیا اور اشکوں کے دریا بہائیں جن کو سن کر خدا کی رحمت جوش میں آئے، اور پھر دل بھی پانی ہو۔ ذرا ایک مرتبہ رخصت ہونے سے پہلے یہ اشعار پڑھئے، کس دل سے نکلے ہیں۔ اور انھوں نے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم برپا کیا ہوگا۔ آج بھی دل کے ساکن سمندر میں تلاطم پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں ؎

کب سے کھڑی ہوں یارب امید کے سہارے — یہ دن نہ جانے میں نے کس طرح سے گزارے
بے چین و مضطرب دل جا کر کسے پکارے — وہ کون ہے جو حالت بگڑی ہوئی سنوارے

ہے باب یہ کرم کا خالی نہ پھیر یارب
دینا اگر تجھے ہے پھر کیوں ہے دیر یارب

کنج قفس سے بدتر اپنا ہے آشیانہ — اس قید بے کسی میں گزرا ہے اک زمانہ
مغموم دل پہ یارب لازم ہے رحم کھانا — کرتی ہوں میں شکایت تجھ سے یہ عاجزانہ

بار الم ہے دل پر طاقت نہیں ہے دل میں
کیونکر ہو صبر مجھ سے ہمت نہیں ہے دل میں

اس نظم کے دو شعر دل تھام کر اور سن لیجئے ؎

کب سے لئے کھڑی ہوں میں کاسۂ گدائی
اب تک ملا نہ مجھ کو اور شام ہونے آئی

اور یہ دوسرا شعر ہے، اور کون بڑے سے بڑا صاحب علم اور صاحب درد ہے جو اس شعر کو پڑھ کر بندگی اور عاجزی کا مزا نہ لے ؎

بندہ نواز! میری منت کی لاج رکھ لے
میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

یہ سب اشعار ان کے مجموعہ "باب کرم" سے لئے گئے ہیں جو چھپ کر دعا و مناجات کا ذوق رکھنے والے مردوں اور عورتوں میں مقبول ہو چکا ہے۔

آخر وہ وقت آگیا کہ وہ جس کے دروازہ پر برسوں سے دستک دے رہی تھیں اور فریاد کر رہی تھیں، اور اپنی والدہ محترمہ کے الفاظ میں یہ کہنے کا حق رکھتی تھیں کہ ؎

عمر گزری ہے ترے دربار میں آتے ہوئے
گڑگڑاتے مانگتے اور ہاتھ پھیلاتے ہوئے

اس کی رحمت کا فیصلہ ہوا کہ وہ اب اپنی اس عاجز و درماندہ، دردمند و پرسوز بندی

کو اس دار المحن سے اپنے اس جوار رحمت میں بلائے جس کے مکینوں کے لیے اس کا ارشاد ہے: "لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون"

رجب، شعبان ۱۳۹۵ھ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۵ء سے ان کو کچھ اندرونی تکلیفیں رہنے لگی تھیں جس کی صحیح تشخیص آخر تک نہ ہو سکی۔ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) کہ جس کا ان کو بڑا انتظار و اشتیاق تھا۔ اس مرتبہ اس کے صرف دس روزے رکھ سکیں کہ ضعف و لرزہ کا سخت حملہ ہوا۔ رائے بریلی کے ایک تجربہ کار ڈاکٹر کے علاج سے وہ کیفیت تو جاتی رہی لیکن طاقت نے عود نہیں کیا۔ چلنے پھرنے لگیں لیکن کمزوری بڑھتی جا رہی تھی۔ ادھر ہم لوگ ندوۃ العلما کے جشن تعلیمی منعقدہ ۳۱؍ اکتوبر تا ۲؍ نومبر کی تیاریوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ ہم کو خود اپنے سر و پا کا ہوش نہیں رہا۔ لیکن جب اجلاس سے فارغ ہو کر غالباً ۷؍۸؍ نومبر کو رائے بریلی پہنچا تو گھر میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے وہ اپنے کمرے سے نکل کر دروازہ تک آئیں اور کہا کہ بھئی! مبارک ہو، تمہارا جلسہ بہت کامیاب ہوا۔ ہماری دونوں بہنیں اور گھر کی مستورات، چھوٹے بڑے سب جلسہ کے لیے روز و شب دعا کر رہے تھے۔ ان میں سے کوئی لکھنؤ نہ جا سکا۔ لیکن آنے والے عزیزوں سے ان کو خبریں ملتی رہیں، ان کی وہ خوشی ابھی تک یاد ہے۔ جو ہم لوگوں کی زبانی جلسہ کے حالات سن کر ان کو ہوتی تھی۔

جلسہ اور ضروری کاموں سے جب ہم لوگوں کو فراغت ہوئی تو ان کے چھوٹوں نے اصرار کیا کہ لکھنؤ چل کر ڈاکٹروں کو دکھا دیں اور صحیح تشخیص ہو جائے ان کو اس میں بڑا تامل تھا۔ لیکن چھوٹوں کا اصرار غالب آیا اور وہ ۷؍ دسمبر ۷۵ء کو

لکھنؤ گئیں۔ چلتے وقت انھوں نے کسی سے کہا "معلوم نہیں شاید موت ہم کو لے جارہی ہے"۔ اس سے پہلے بھی انھوں نے ایسے اشارے کئے تھے۔ ان کو اپنی خالہ زاد بہن کی لڑکی فاطمہ سلمہا اہلیہ عزیز گرامی قاری سید رشید الحسن صاحب (نبیرہ نواب سید نور الحسن خاں مرحوم) مقیم حال کراچی سے اولاد کی سی محبت تھی۔ انھوں نے اس کو بیٹی کی طرح رکھا تھا۔ یہ رشتہ بھی انھیں کی پسند اور کوشش سے ہوا تھا۔ اور بچی کی ماں کے زندہ ہونے کے باوجود حقیقی ماں کی طرح اس کی شادی کی تھی۔ انھوں نے نواب صاحب مرحوم کا وہ دور دیکھا تھا۔ اور ان کی اور ان کی بیگم صاحبہ کی شفقتیں سب آنکھوں کے سامنے تھیں۔ کہ ہم لوگوں کو اپنی اولاد ہی کی طرح سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کو اس رشتہ سے بڑی خوشی تھی۔ کئی برس سے یہ بچی جو ماشاء اللہ اب کئی بچوں کی ماں ہے۔ سلمہم اللہ تعالیٰ رائے بریلی نہیں آئی تھی وہ یہاں سے بھی ان کے بچوں کو برابر تحفے بھیجتی تھیں۔ قاری صاحب کا جب خط آیا کہ ہم لوگ آنے والے ہیں۔ تو انھوں نے سنتے ہی کہا کہ اب ہم سے کیا ملاقات ہوگی ـ؟

ہمشیرہ مرحومہ جس دن لکھنؤ پہنچیں اسی دن مجھے ناگپور، اورنگ آباد اور پونہ کے دورہ پر روانہ ہونا تھا۔ میں ۱۷ر جنوری کی شام کو دارالعلوم سے گھر آیا۔ کہ ان کو سلام کرتا، دعائیں لیتا سفر پر روانہ ہوں گا۔ اس وقت کوئی علامت فوری خطرہ اور تشویش کی نہ تھی۔ میں دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ چلتے وقت مجھے حسب معمول رخصت کیا۔ اور والدہ مرحومہ کی عادت کے مطابق "ان الذی فرض علیک القرآن رادک الی معاد" پڑھ کر خدا کی حفاظت میں دیا کیا معلوم تھا

کہ شعور و ہوش کی حالت میں ان سے یہ آخری ملاقات ہے۔

قصہ مختصر دوران سفر میں مجھ پر واپسی کا ایسا شدید تقاضا ہوا کہ اپنے مزاج و عادت کے خلاف کسی کا اصرار غالب نہ آنے پایا۔ اور آگے کا سارا پروگرام ملتوی کرکے اورنگ آباد سے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی اور دہلی سے بذریعہ ٹرین کانپور، اور کانپور سے بذریعہ کار ۲۵ر جنوری کو بعد مغرب لکھنؤ پہونچا۔ محبی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی اور عزیزی مولوی معین اللہ صاحب ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء) ہمراہ تھے۔ موٹر سے قدم رکھتے ہی یہ خبر بجلی بن کر دل پر گری کہ وہ بالکل بے ہوش ہیں۔ کئی مریضوں کا حال دیکھ چکا ہوں اور ایک طبی گھرانے سے تعلق ہے، اس لیے اس کے آخری نتائج بجلی کی طرح آنکھوں کے سامنے آگئے، پھر یہ دو دن اور تین راتیں کس طرح گزریں، اس کو تفصیل سے سنانے کا یارا نہیں، بہرحال زندگی کے سخت ترین دنوں میں ان کا شمار ہے، انسان کی بے بسی، زندگی کی بے حقیقتی دنیا کی بے ثباتی، اللہ کے ارادہ کی قاہری اور فرمانروائی، سب حقیقتیں منکشف ہوگئیں۔ بالآخر ۲۸ر جنوری کو صبح تقریباً ۸ بجے اسی گھر میں جس میں انھوں نے باپ اور بھائی کے سایے میں بچپن، جوانی اور کہولت اور غم اور خوشی کے بہت دن گزارے تھے، جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ اور جگر کا یہ مصرعہ بالکل حسب حال ہوا۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اسی دن خدا کی اس امانت کو جو ہم سب کو بہت عزیز تھی، وطن آبائی کے راستہ وطن اصلی تک پہونچانے کا سامان کیا گیا کہ "ان الی ربک الرجعی" اور اسی دن

۲۸ جنوری کو بعد نماز عصر ایک کثیر جماعت کے ساتھ جس میں علماء، طلبا اور صلحاء کی بڑی تعداد تھی، نماز جنازہ پڑھی گئی . اور ان کو ان کی شفیق ماں کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا. جن کی ہم سب میں سب سے زیادہ انھیں نے خدمت کی تھی. ایک طرف ان کے باکمال نامور باپ، دوسری طرف ان کے شفیق و مشفق بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی مرحوم اور بیچ میں خاندان حسنی و قطبی کی برگزیدہ ترین شخصیتیں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی اور حضرت سید محمد عدلؒ وغیرہ ہیں. اللہ کی رحمتیں سب پر اور اس کا درود و سلام اس کے حبیب سید المرسلین شفیع المذنبین پر جن کی بدولت صراط مستقیم، راہ نجات اور علو درجات کی دولت نصیب ہوتی ہے .

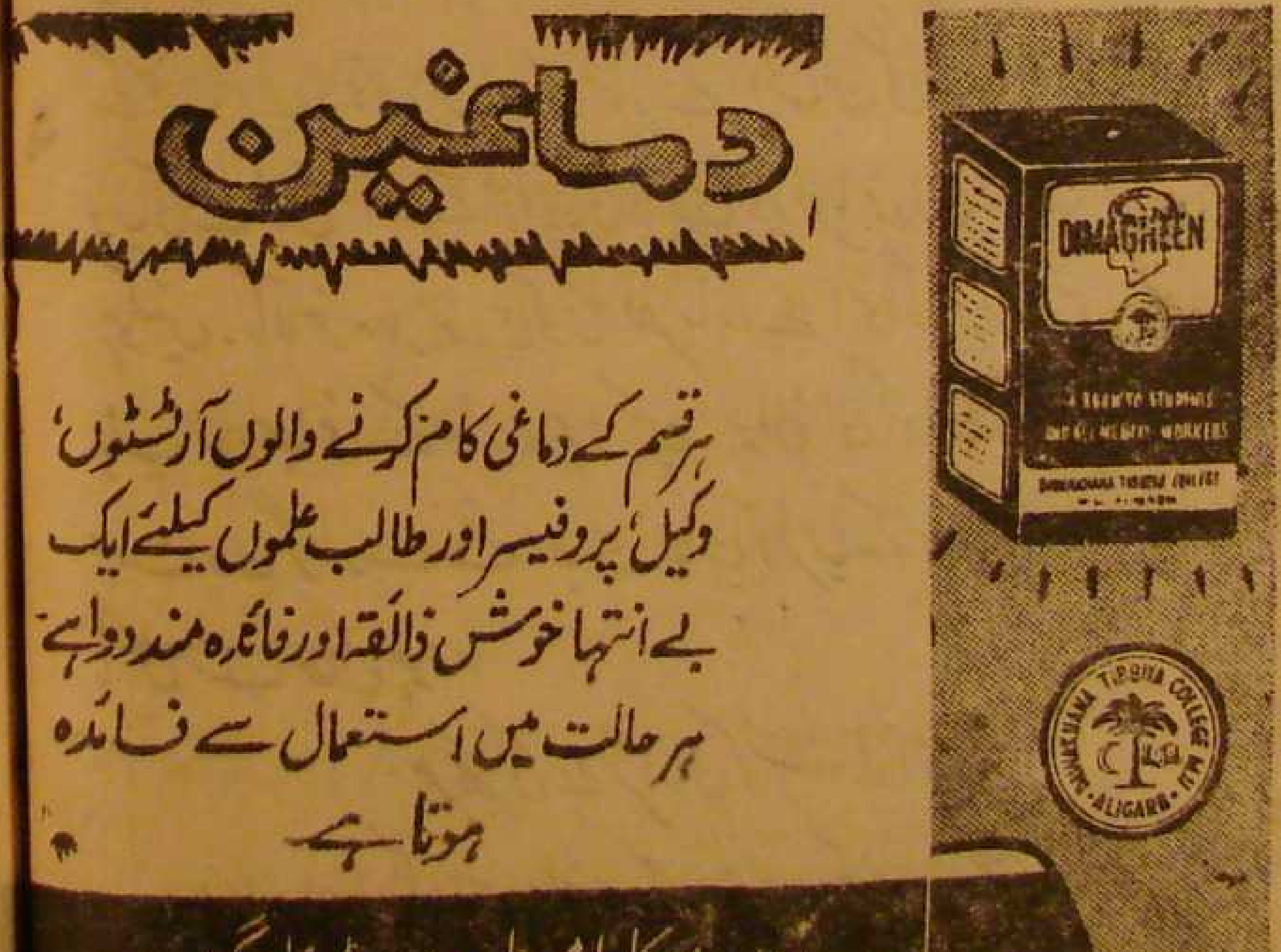

دن خواب ہو گئے ہیں سکون و قرار کے

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

بیٹھی ہوں در پہ آج میں پروردگار کے
نکلیں تمام حوصلے امید وار کے

بے تاب و بے قرار ہوں بے چین و مضطرب
دن خواب ہو گئے ہیں سکون و قرار کے

دورِ فلک نے آج یہ تعلیم دی مجھے
دشوار کتنے ہوتے ہیں دن انتظار کے

تاخیر سے تری یہی رہتا ہے ڈر مجھے
ارمان مٹ نہ جائیں دل بے قرار کے

شیوہ ترا کرم ہے مجھے عادت گناہ کی
ہاں عفو کر کرم سے گنہ شرمسار کے

تسنیم چپ ہے کیوں ذرا قدرت کے کھیل دیکھ
آئیں گھٹائیں جھوم کے دن ہیں بہار کے

محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ

مولانا محمد رابع ندوی

ستودہ صفات شخصیت

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی متوازن ستودہ صفات شخصیت نے خاندان کے تمام افراد نیز دیگر اہل تعلق میں ایک محبوبیت حاصل کر لی تھی، ان سے مل کر مسرت اور انس محسوس کیا جاتا تھا۔ اور ان کی محبت و تربیت سے سیرت کی تعمیر ہوتی تھی۔ تکیہ شاہ علم اللہ میں تقریباً ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئیں اور نشو و نما علمی و دینی ماحول میں ہوا۔ والد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء اور بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی صاحب کی شفقت و سرپرستی میں تربیت ہوئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ اپنی عالی صفات والدہ کی تربیت و محبت سے پوری طرح مستفید ہوئیں۔ اسی ماحول میں ان کا علمی ذوق پروان چڑھا اور دینی ذوق کی نمو ہوئی اور وہ ایک مربیہ اور عالمہ کی حیثیت سے خاندان میں نمایاں ہوئیں۔

ادبی ذوق

شادی اپنے ماموں زاد بھائی مولانا سید ابوالخیر صاحب حسنی مرحوم سے ہوئی جو ایک عالم اور ادیب تھے۔ امۃ اللہ صاحبہ کا یہ دور جو خاوند کی رفاقت میں

گذرا۔ علمی لحاظ سے مضمون نگاری اور ادبی اشتغال کا دور تھا۔ انھوں نے اس زمانہ میں بکثرت مضامین لکھے جو عام طور سے مسلم خواتین کے لئے اصلاحی و دینی موضوعات پر ہوا کرتے تھے۔ یہ مضامین اکثر و بیشتر رسالہ مسلمہ جالندھر میں شائع ہوا کرتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد جب یہ رسالہ پاکستان منتقل ہو گیا تو موصوفہ کا تعلق بھی اس رسالہ سے باقی نہیں رہا۔ لیکن جلد ہی ان کے بھانجے مولانا محمد ثانی حسنی نے مسلم خواتین کے لئے ایک رسالہ اپنی اور موصوفہ کی ادارت میں نکالنا شروع کیا جو الحمدللہ تا حال جاری ہے۔ یہ رسالہ ان کے تحریری و ادبی ذوق کی تسکین کا باعث بنا۔ شروع شروع میں وہ اس سے خاص علمی دلچسپی لیتی تھیں لیکن جیسے جیسے نگاہ کمزور ہوتی گئی، یہ دلچسپی محدود ہوتی گئی، البتہ مضامین کی صورت میں ان کا تعلق اس رسالہ سے برابر جاری رہا۔ مضامین کے ساتھ ساتھ نظموں اور مناجاتوں کا بھی سلسلہ رہا جو کتابچوں کی شکل میں علیحدہ سے شائع ہوئیں۔

ریاض الصالحین کا ترجمہ:

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے جن کو خاندان کے اکثر بڑے چھوٹے "عائشہ بی" کے نام سے موصوف کرتے تھے۔ اپنی عمر کے آخری تیس سال اپنے بھائیوں کے ساتھ گذارے۔ اسی زمانہ میں ان کو اپنے برادر خرد مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کے ہمراہ ۱۹۴۷ء میں حج و زیارت کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔ جس میں ان کے ساتھ ان کی والدہ صاحبہ اور بھانجے مولانا محمد ثانی بھی تھے۔ اس حج و زیارت کا تذکرہ انھوں نے ہمیشہ لطف لے کر کیا۔ دوران حج میں متعدد مناجاتیں اور نعتیں بھی کہیں جن میں ان کے دل کی تڑپ اور دینی جذبہ صاف جھلکتا ہے۔ امۃ اللہ صاحبہ

کا یہ تیس سالہ دور علمی و تعلیمی مشغولیت میں گزرا۔ خاندان کے اس دور کی نئی خاتون نسل ان کی شاگرد ہے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی عمر میں خود اپنی ذاتی دلچسپی سے عربی پڑھی تھی۔ وہ اپنے بھائیوں اور پھوپھا مولانا سید طلحہ حسنی صاحب مرحوم سے جب اور جس قدر وقت ملتا تعلیم و استفادہ کرتی رہیں۔ اس کے نتیجہ میں ان کی عربی اتنی ہو گئی تھی کہ انھوں نے کئی عربی کتابوں کے ترجمے کئے اور خاندان کی متعدد بچیوں کو ابتدائی عربی کی تعلیم دی۔ ان کے ترجموں میں اہم ترین ترجمہ احادیث کے مشہور مجموعہ "ریاض الصالحین" کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں احادیث کا انتخاب تربیت، اخلاق و تعمیر سیرت کے موضوع تک محدود رکھا گیا ہے۔ یہ انتخاب مشہور محدث و شارح مسلم امام نووی نے کیا ہے۔ امۃ اللہ نے اس کا ترجمہ دو جلدوں میں کیا۔ جس کا نام "زاد سفر" رکھا جو "مکتبہ اسلام" سے کئی بار طبع ہو کر مقبول ہوئی۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے بھی اس کے معتدبہ نسخے خرید کر تقسیم کرائے۔ سعودی ریڈیو نے اپنی اردو سروس سے اس کتاب کی مترجم احادیث بالاقساط نشر کیں۔ مرحومہ اپنے اس تصنیفی کام کو آخرت کے لیے بڑا سرمایہ سمجھتی رہیں۔ امید ہے کہ یہ ان کے لیے عرصہ دراز تک صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔ مرحومہ نے اس کتاب کے ترجمہ میں بڑی محنت و دلسوزی سے کام لیا۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ معیاری عربی کا سوال تھا۔ جس کے لئے ماہرانہ علمی قابلیت کی ضرورت تھی۔ بلکہ معاملہ حدیث شریف کا تھا۔ جس میں بڑی امانت داری کی ضرورت تھی چنانچہ انھوں نے اپنا یہ ترجمہ اولاً اپنے فاضل بھائیوں کو دکھایا اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا شاہ محمد حلیم عطا صاحب کے پاس بھیج کر لفظ

لفظ سنوایا۔ دونوں حیثیتوں سے تصدیق ہونے کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے لئے مقدمہ حاصل کیا۔ جس سے ترجمہ کی اہمیت کی تصدیق ہوتی ہے۔

علمی و تحریری سرمایہ

مرحومہ کے دیگر مطبوعہ تصنیفی کاموں میں بچوں کے لیے قصص الانبیاء، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نیز صحابیات کے حالات پر بچوں کے لئے متعدد کتابیں ہیں۔

مرحومہ نے جو زمانہ اپنی درمیانی عمر میں علمی و تحریری ذوق و دلچسپی میں گذارا۔ اس میں بھی ان کے عالی ذوق کا خاصہ ثبوت ملتا ہے۔ انھوں نے اس دور میں مضامین لکھے، نظمیں کہیں۔ انھوں نے بیت بازی کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کتاب میں انھوں نے مستند اساتذہ شعراء اردو کے کلام سے ایک انتخاب تیار کیا۔ جو چند بیت بازی کرنے والی خواتین کی زبان سے ایک ڈرامہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ یہ بیت بازی بیک وقت افسانوی لطف کی بھی حامل ہے۔ اور تربیت ذوق شعری کا ایک اچھا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح "انجام بخیر" کے نام سے انھوں نے رسالہ مسلمہ میں بالاقساط ایک سلسلہ لکھا جو بیک وقت ادبی چاشنی بھی رکھتا ہے اور اصلاحی اہمیت بھی۔ ان کا ایک دوسرا سلسلہ "میری بے زبان استانیاں" کے نام سے بالاقساط اسی رسالہ میں شائع ہوا جس سے ان کتابوں پر روشنی پڑتی ہے جن سے مرحومہ نے فائدہ اٹھایا اور ان کی علمی زندگی کی نمو میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ یہ غیر مطبوعہ مجموعے نیز مختلف پرچوں میں مرحومہ کے شائع شدہ مضامین نوجوان خواتین کی علمی و اخلاقی تربیت کا اچھا سامان رکھتے ہیں۔

جذبۂ خدمت

اپنی والدہ کے ضعف کے زمانہ میں چونکہ مرحومہ ان کے ساتھ رہیں اس لئے ان کو اپنی والدہ کی خدمت کا بیش بہا موقع حاصل ہوا اور اس موقع سے انھوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ وہ اپنی والدہ کے لئے ہمہ وقت سہارا تھیں۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھتیں۔ استنجے اور وضو وغیرہ میں مدد کرتیں۔ رات کو قریب ہی رہتیں۔ جب اور جو ضرورت ہوتی مدد کرتیں۔ دو دن کی بھی جدائی ان میں ناقابل عمل سمجھی جاتی چنانچہ اپنی والدہ کی وفات کے بعد انھوں نے ایک خلا محسوس کیا۔ لیکن وہ خاندان کی نظر میں اپنی والدہ کی جانشین ثابت ہوئیں۔ خاندان کے افراد ان کے ساتھ بھی اسی طرح کی محبت و احترام سے پیش آتے جس طرح کہ ان کی مرحوم والدہ جناب خیر النساء بہتر صاحبہ کے ساتھ پیش آتے تھے

اصلاحی مشاغل

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا تعلق رکھتی تھیں اور ذاکر و شاغل تھیں۔ لایعنی معاملات سے مکمل پرہیز کرتیں۔ اور غیر مفید مجالس میں بالکل شرکت نہ کرتیں۔ اپنے امکانات و وسائل کے مطابق مرحومہ نے اصلاح و دعوت کے عملی کام سے بھی دلچسپی لی۔ وہ ہر ہفتہ خواتین کا اجتماع کرتیں۔ اور اس میں اصلاحی و دعوتی مضامین پڑھ کر سناتیں۔ اور کبھی کبھی کسی عالم دین سے ان کے لئے وعظ کہلواتیں۔ اس اجتماع سے خاندان نیز قرب و جوار کی خواتین نے خاصا فائدہ اٹھایا اور ماحول میں دینی جذبہ بیدار کرنے میں مدد ملی۔

خدمت تعلیمی

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے زندگی میں علمی مشغولیت کے ساتھ ساتھ تعلیمی مشغولیت

بھی اختیار کی اور اسی طرح انھوں نے علم و دین کے میدان میں اگر ایک طرف شاگردی کا فرض پورا کیا تو دوسری طرف معلمی کا فریضہ بھی انجام دیا۔

انھوں نے اپنی زندگی کے مختلف حصوں میں ذاتی طور پر بچوں ، بچیوں کی تعلیم سے دلچسپی لی اور بذات خود پڑھانے کا کام کیا، نئی نسل کی متعدد بچیاں ان کی خاص شاگرد ہوئیں۔ انھوں نے ان سے عربی کی تعلیم حاصل کی اور اس میں محدود ضرورت کی استعداد بھی پیدا کی، انھوں نے ان سے اردو کا ذوق حاصل کیا اور مطالعہ کا ڈھنگ بھی سیکھا۔ اور گم کردہ راہ بننے سے محفوظ ہوئیں۔ خاندان کی نئی نسل کی متعدد بچیوں پر ان کا یہ ایک احسان ہے جس کا صلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ انھوں نے صرف بچیوں کی تعلیم ہی سے دلچسپی نہیں لی بلکہ اپنی بعض ہمعمر خواتین کو بھی پڑھایا۔ اور اس طرح پر تعلیم بالغان بلکہ صحیح یہ ہے کہ تعلیم بالغات کا فرض انجام دیا۔ ان کی بعض وہ ہم عمر خواتین جنھوں نے ان سے الف ب سے لے کر قرآن مجید ناظرہ تک تعلیم حاصل کی آج بھی اس کا تذکرہ کر کے اپنی ممنونیت کا اظہار کرتی ہیں۔

قابل تقلید

عائشہ بی کی شخصیت ان کے تمام ملنے والیوں ، تعلق والوں اور تعلق والیوں میں ایک باوقار اور محبوب شخصیت تھی۔ ان کو ایک ہمدرد، نیک اور مخلصانہ جذبات کی خاتون سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کے مشوروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اب جب کہ وہ خود ہم میں نہیں رہیں۔ ان کا اسوہ اور نمونہ باقی ہے۔ مسلم خواتین اور بچیاں اس نمونہ سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں۔

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی اولاد بچپنے میں ہی انتقال کر گئی تھی۔ ان کی یہ محبت بھی ان کے بھانجوں، بھتیجوں پر صرف ہوئی۔

آج ان کی جدائی کو خاندان کے سب بڑے ایک عزیز بہن کی اور سب چھوٹے ایک مشفق خالہ وپھوپھی کی اور گرد و پیش کے لوگ ایک نیک اور مربی بی بی کی جدائی محسوس کر رہے ہیں اور سب غمزدہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کا بدل عطا فرمائے اور ان کی مثال بار بار پیدا کرے۔

بہترین چائے کا قابل اعتماد مرکز
عباس علاء الدین اینڈ کمپنی
نمبر ۴۴ حاجی بلڈنگ، ایس دی ڈی کار و ڈ نل بازار بمبئی ۴

اسپشل مسکچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مسکچر	فلاور بی او پی

TELEGRAM:- CUP, KATTLY
TELEPHONE No. 332279

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

از بیگم سید اصغر حسین صاحب ایڈوکیٹ

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہوگا ہمیشہ قائم رہنے والی خدا کی پاک ذات ہے۔ امۃ اللہ تسنیم کی موت نے ان کے برادر عزیز علی میاں، اور رشتہ داروں ملنے والوں کو خون کے آنسو رلادیا ہے۔ کیا پیاری ہر دلعزیز ہستی تسنیم کی تھی۔ امۃ اللہ کے چہرے پر بلا کی دلکشی تھی۔ ایک بار اگر ان سے کوئی مل لیتا تو دوبارہ ملنے کی تمنا لے کر اٹھتا تھا۔ امۃ اللہ تسنیم محبت و خلوص کی پیکر تھیں۔ اپنے پرائے سب سے یہی برتاؤ تھا۔ نہایت شیریں مزاج، خاموش طبیعت، بھولی بھالی شخصیت کی مالک تھیں۔ بات بہت ہی ناپ تول کر کرتی تھیں۔ بہت دنوں سے ان سے ملنے کا اشتیاق تھا ہر خط میں لکھنؤ آنے کے لئے ــــــ میں اصرار کرتی تھی بہت امید تھی کہ نومبر میں ندوۃ العلماء کے اجلاس میں ضرور آئیں گی۔ ہر ایک سے دریافت کیا مگر یہ معلوم کر کے بے حد مایوسی ہوئی کہ وہ نہیں آئیں۔ افسوس امۃ اللہ تسنیم لکھنؤ آئیں اور ہمیشہ کے لئے چلی بھی گئیں۔ میں ان کا دیدار نہ کر سکی ملاقات تو بہت کم ہوتی تھی مگر خطوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ اگر کبھی میں نہ لکھ پاتی تو ان کا خط حال احوال دریافت کرنے کے لیے آجاتا اب تسنیم کا خط کبھی نہیں آئے گا جس کا مجھے شدت سے انتظار رہتا تھا۔ لفافہ دیکھ کر اب بھی گمان ہوتا ہے کہ خوبصورت رائٹنگ سے تسنیم نے میرا پتہ لکھا ہوگا۔ اگر موت نے اجازت دی ہوتی تو وہ بغیر ملاقات کئے رائے بریلی واپس نہ جاتیں۔ کسی کی بیماری سن لیتیں

فوراً دعائیں لکھتیں، میری بڑی دختر کے پیروں میں تکلیف رہتی ہے۔ ہر خط میں حال دریافت کرتیں۔ اس کے لئے کئی دفعہ تیل مالش کے لئے بھیجا۔ ان کے دل میں ہمدردی کا جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ خدا تعالےٰ جس کو چاہتا ہے مقبول بندہ یا بندی بنا دیتا ہے۔ یہ شرف تسنیم کو حاصل تھا۔ کئی کتابوں کی مصنفہ تھیں۔ زادِ سفر کس خوبی اور محنت سے عربی کا ترجمہ کیا تھا۔ ہر لفظ ان کی دل سے نکلی ہوئی پُر اثر ہوتی تھی۔ بڑی تمنا تھی کہ کچھ دنوں ان کی رفاقت میں تکیہ کلاں میں جا کر رہوں مگر یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ گھر کی مصروفیت نے اجازت نہ دی۔ میں سوچتی ہوں ان کی دائمی جدائی سے میرے دل کو اس طرح قلق اور رنج ہے تو ان کے چھوٹے بھائی علی میاں اور رشتہ داروں کا کیا حال ہوگا۔ علی میاں کچھ سال قبل ماں کی سرپرستی سے محروم ہو چکے تھے۔ اب بہن کی دفعتاً موت ناقابل برداشت ہے۔ مگر اللہ والے بہت صبر والے ہوتے ہیں۔ حالانکہ اچانک موت گہرا رنج ہو جاتی ہے۔ خدا سے دعا کرتی ہوں کہ ان کے خاندان کی خواتین میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ اب ان کی جانشین بحال کر سکیں اور ایسی اوصاف اپنے میں پیدا کر سکیں جو مرحومہ کے تھے۔

(آمین ثم آمین)

منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن پر اپنا خریداری نمبر اور مکمل پتہ صاف صاف لکھا کریں۔ دفتر میں بے پتے کی کئی کوپنیں بطورِ امانت محفوظ ہیں۔

آج تسنیم پہ ہو تیرے کرم کی بارش

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

اے مرے رب دلِ مضطر کی دعائیں سن لے
حال زار دلِ بے کل جو سنائیں سن لے

قید ہیں جال میں فکروں کے مثال طائر
بے قراری میں نکلتی ہیں دعائیں سن لے

دیکھ لے، دیکھ لے، ہاں دیکھ لے حالت میری
سن لے مغموم دلوں کی بھی صدائیں سن لے

یا الٰہی تجھے تیرے ہی کرم کا صدقہ
کر نہ مایوس مجھے میری دعائیں سن لے

ہیں خزانے ترے معمور تو پھر دیر ہے کیا
مانگنے والے کبھی خالی نہ جائیں سن لے

جو طلب میں نے کیا خاص عنایت سے دیا
ترے قربان، مری یہ بھی دعائیں سن لے

یہ مناجات کبھی کہہ کے سنائی سب کو
داد اس کی ترے دربار سے پائیں سن لے

آج تسنیم پہ ہو تیرے کرم کی بارش
آج ناکام ترے در سے نہ جائیں سن لے

مرحومہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی علمی و ادبی خدمات

شمس تبریز خاں

اس قحط الرجال کے دور میں جب کہ علم و دین کے جامع افراد ایک ایک کرکے اٹھتے جارہے ہیں۔ صاحب علم و دیندار خواتین کا بھی اٹھ جانا کسی حادثہ سے کم نہیں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب مدظلہ کا خانوادہ جہاں صدیوں سے علم و دین کی جامعیت میں ممتاز چلا آرہا ہے۔ وہیں اسے یہ فخر و امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس دودمان عالی کی نیک بیبیاں بھی علم و دین کی اس میراث میں مردوں کی شریک رہی ہیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کا واقعہ ہے کہ ایک بار آپ کسی جہاد میں جانے سے پہلے گھر کی خادمہ کے مشورے سے اپنی والدہ صاحبہ سے اجازت لینے گئے، وہ اس وقت نماز میں مشغول تھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد وہ خادمہ پر ناراض ہوئیں کہ تم نے اس نیک کام سے ان کو اتنی دیر کیوں روکے رکھا، اور سید صاحبؒ کو خوشی خوشی اس کی اجازت دیدی۔ یہ ذوق اس خانوادے میں برابر باقی رہا۔ مولانا علی میاں صاحب کی والدہ مرحومہ حافظ قرآن اور بڑی ذاکر و شاغل خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ ہی علم و ادب سے بھی انھیں تعلق تھا۔ اردو میں ان کی نعتیں اور مناجاتیں "باب رحمت"

اور "کلید باب رحمت" کے عنوان سے چھپ کر مقبول ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم اور حضرت مولانا علی میاں صاحب کی تربیت انھیں باخدا خاتون کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنی دونوں لائق بیٹیوں کی بھی تربیت و نگہداشت کی۔ ایک امۃ العزیز صاحبہ جو حیات ہیں۔ اور دوسری امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ۔ جن کا گذشتہ جنوری میں انتقال ہوا ہے اور جن کی یاد میں یہ منیر نکل رہا ہے۔

مرحومہ علم و دین داری حسن معاشرت و سلیقہ مندی، یتیم پروری و غریب نوازی رحمدلی و نفع رسانی میں اپنی والدہ مرحومہ کے نقش قدم پر تھیں۔ اور اپنی خاندانی روایات برقرار رکھے ہوئے تھیں۔ ان کی سیرت کے اس پہلو پر خاندان کے افراد لکھیں گے لیکن مولانا علی میاں صاحب مدظلہ اور دوسرے متعلقین کی زبان سے ان کی خوبیوں کا جو تذکرہ سننے میں آیا اس سے ان کی للہیت اور جذبۂ خدمت کا یقین ہوگیا ان کی کوئی اولاد زندہ نہ تھی، مگر اولاد کی محبت اور ممتا انھوں نے اپنے عزیزوں اور دور و نزدیک کے اہل تعلق کی طرف منتقل کردی تھی۔ شرافت نفس و دلنوازی کی یہ بلندیاں اب بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔

مرحومہ نے قرآن کا ایک حصہ حفظ کر لیا تھا۔ اور عربی کی تحصیل مولانا علی میاں صاحب سے کی تھی۔ اور اس میں اچھی استعداد پیدا کرلی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ اردو میں نعت و مناجات اس پائے کی کہتی تھیں جو عرصہ تک زندہ رہیں گی۔ اردو نثر بہت شگفتہ اور بے تکلف قدرت و مہارت کے ساتھ لکھتی تھیں جس کا نمونہ ان کے وہ مضامین ہیں جو ملک میں عورتوں کے رسالوں میں اور بیس سال تک ماہنامہ

رضوان لکھنؤ سے نکلتے رہے۔ اس پورے عرصہ میں انھوں نے بڑی مستعدی اور لیاقت کے ساتھ اپنے لائق بھتیجے مولانا محمد ثانی صاحب کے معاون کی حیثیت سے "رضوان" کے روش اور یاسمین کی چمن بندی کی۔

میں اپنے بچپن سے گاہے گاہے رضوان کا دلچسپی سے مطالعہ کرتا رہا ہوں اور مسلمان گھرانوں میں اس کی افادیت و مقبولیت دیکھتا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہند و پاک میں مسلم خواتین کے لیے نکلنے والے رسالوں میں شاید ہی کوئی "رضوان" کی نوعیت و افادیت کا حامل رسالہ ہوگا۔ جس کے ذریعے سے صحیح اور خالص اسلامی تعلیمات و معلومات مسلم خواتین تک پہنچتی ہوں اور جو ملت کی ماؤں بہنوں بیٹیوں کی علمی و معاشرتی تربیت مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور راشد الخیری کے انداز پر کر رہا ہو۔ یہ رسالہ جب مالی بحران کا شکار ہوا تو مولانا علی میاں صاحب مدظلہ نے اس کے لیے ایک ذاتی اپیل شائع کی جس میں اس کی اہمیت کا اس طرح اظہار کیا گیا تھا:

"... اس ضرورت کو محسوس کر کے کہ میرے گھرانے کے چند افراد نے دسمبر ۱۹۵۶ء سے رسالہ "رضوان" جاری کیا جس کو شروع سے اس وقت تک بہت سے دیندار اور باحمیت مسلمانوں کی تائید و سرپرستی اور بزرگوں کی دعائیں حاصل ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس نے اپنے محدود دائرے میں رہ کر گذشتہ چودہ سال میں بڑا مفید کام انجام دیا اور اس کے پڑھنے والوں کو اس سے ایک ذاتی اور جذباتی تعلق پیدا ہو گیا۔ اس کے پڑھنے سے بہت سی عورتوں نے اپنی غلط زندگی سے توبہ کی اور اپنے بچوں کی دینی و اخلاقی تعلیم کا

انتظام کیا اور اس کو ایسے گھرانوں تک پہونچایا جہاں تک اس کی رسائی مشکل تھی۔ یہاں تک کہ ہندوستان و پاکستان کے علاوہ امریکا اور یورپ نیز عرب اور افریقہ میں بسنے والے بعض ہندوستانی و پاکستانی مسلم گھرانوں میں وہ مقبول ہونے لگا۔ اس سے تعلق رکھنے والے بھائیوں اور بہنوں کی ہمت افزائی سے اس نے کئی خصوصی نمبر بھی نکالے جو بہت مقبول ہوئے اور بہت جلد نایاب ہو گئے"[1]

مرحومہ تسنیم صاحبہ اس قابل قدر رسالے میں برابر کوئی نہ کوئی مضمون یا اپنی نعت و مناجات شائع کرتیں۔ ان کے معاشرتی اور اصلاحی مضامین کا تمامتر موضوع مسلم گھرانوں کی اصلاح، عورتوں کی دینی و ذہنی تربیت اور مغربی تہذیب سے نفرت اور مثالی مسلم خواتین کا تذکرہ ہوتا۔ یہ مضامین چونکہ انشا پردازی کے خیال سے نہیں بلکہ اخلاص و دلسوزی سے لکھے گئے تھے۔ اس لئے ان میں ایک خاص تاثیر ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ادب کی چاشنی اور شگفتگی بھی قائم رہتی تھی۔

مرحومہ نے اس رسالے کی ادارت کے علاوہ بڑے قابل قدر اور مفید تحریری کام بھی کیے۔ انھوں نے مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کی مشہور و مفید کتاب قصص النبیین کے مطالب کو شگفتہ اردو کا جامہ پہنایا۔ اور بچوں کی قصص الانبیاء کے نام سے کئی حصوں میں اس کتاب کو اردو میں منتقل کر دیا۔ اردو کے بزرگ

[1] رضوان جنوری ۱۹۷۱ء

ادیب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہ نے اپنے مقدمے میں اس طرح اس مفید سلسلے کی داد دی تھی "رائے بریلی ہی کا ایک سید زادہ کبھی ہجرت و جہاد کے شوق میں وطن سے بے وطن ہوا تھا۔ اور قلعہ بالاکوٹ (پشاور) کی سرزمین پر اپنی زندگی کے حق سے ادا ہو گیا تھا۔ آج اللہ کے دین کو نصرت کے لیے تلوار سے بھی زیادہ قلم کے مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ اسی خاندان سے پھر ایک سیّد اٹھا ہے اور ابکی اس کے ہمراہ ایک برقع پوش سیدانی بھی ہے۔ غزوات نبوی میں شہیدوں اور غازیوں کی خبرگیری اور تیمارداری کرنے والیوں کی یاد تازہ کر دینے والی۔۔۔ کتاب ترجمہ نہیں، ترجمہ سے کچھ بڑھ کر ہے۔ زبان کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، 'مشک آنست کہ خود ببوید' جو لڑکے اور لڑکیاں اسے پڑھیں گے وہ ساتھ ساتھ اردو زبان بھی سیکھتے جائیں گے"۔

اس سلسلے کے بعض حصے ضخیم بھی ہیں۔ حضرت موسیٰ کی زندگی پر مشتمل کتاب ۲۳۶ صفحات میں آئی ہے۔ اور کتاب "ہمارے حضورؐ" ۱۶۸ صفحات میں ختم ہوئی ہے یہ سیرت انھوں نے اس شگفتہ اور دلنشیں انداز میں لکھی ہے کہ سیرت نبوی کے واقعات بچوں کے دل و دماغ میں آسانی سے اپنی جگہ بنا لیتے ہیں اور ان میں سیرت کی بڑی کتابوں کے دیکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ کتاب مولانا سید سلیمان ندوی کی "رحمت عالم" سے قبل بچوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے۔ مولانا علی میاں مدظلہ نے اس کے مقدمے میں تحریر فرمایا تھا:۔

"تسنیم صاحبہ نے "ہمارے حضورؐ" کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے وہ سیرت کے صحیح اور مستند واقعات پر مبنی ہے۔ زبان نہایت صاف

اور شیریں ہے۔ واقعات کا انتخاب بہت اچھا ہے۔ انھوں نے چونکہ عقیدت و خلوص اور دلی جذبہ سے کتاب لکھی ہے اس لئے موثر اور دلآویز ہے۔ یہ محض واقعات کی بے جان فہرست نہیں بلکہ اس میں دینی و اخلاقی تربیت کا سامان بھی ہے۔ انھوں نے واقعات سے صحیح نتائج اور ان واقعات کے قابل غور پہلوؤں کی طرف توجہ بھی دلائی ہے"

ان کی ایک اہم ترین اور نافع کتاب "زاد سفر" امام نوویؒ کی ریاض الصالحین کی مفید و مقبول کتاب ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ ہے۔ جو انشاء اللہ مرحومہ کے لئے توشۂ آخرت اور ذخیرۂ عاقبت ثابت ہوگا۔ زاد سفر کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک اس کے چار ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اور وہ بہت سے مدارس کے نصاب میں داخل ہو گئی ہے مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمایا تھا۔

"ہم کو اس اظہار میں بڑی خوشی ہے کہ امام نوویؒ کی اس کتاب ریاض الصالحین کا ترجمہ اسی گھرانہ نے کیا ہے جس نے سنت کی اشاعت اور بدعت کے ازالہ کا کام ایک صدی پہلے سے شروع کر رکھا ہے اور جس کے انوار و برکات ملک میں ہر جگہ نمایاں ہیں۔" اللّٰھم زد فزد ولا تنقص" اس کتاب کا ترجمہ اس گھرانے کے موجودہ چشم و چراغ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی ناظم ندوۃ العلماء اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خواہر عزیزہ نے کیا ہے۔ مترجمہ موصوفہ نے ترجمہ میں زبان کی سلاست اور روانی کا لحاظ رکھا ہے۔ جگہ جگہ حاشیے بڑھائے ہیں

ہر حدیث کا عنوان قائم کیا ہے جس سے حدیث کے مغز سخن تک پہنچنے میں ناظر کتاب کو بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔"

مرحومہ تسنیم صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے دعا و مناجات، اللہ کے حضور میں گریہ و زاری اور عرض و نیاز اور سوز و گداز اور جناب رسالتمآبؐ کی محبت میں نغمہ سنج ہونے اور نعت کہنے کا ایک خاص سلیقہ بخشا تھا۔ ان نعتوں اور مناجاتوں میں ان کے خلوص اور درد دل کی وجہ سے عجیب تاثیر پیدا ہو گئی ہے بڑی بات یہ ہے کہ ان میں زبان پر زور دینے کے بجائے عرض مدعا اور گذارش احوال کی نیازمندانہ کوشش کی گئی ہے جس سے سادگی میں دلکشی پیدا ہو گئی ہے۔

حمد اور نعت دونوں میں انھوں نے حد ادب کا خاص خیال رکھا ہے اور اس فن کے تقدس کو برقرار رکھا ہے۔ ان کے مجموعۂ حمد "باب کرم" کی اکثر مناجاتیں سفر حجاز میں لکھی گئی ہیں۔ اس لئے ان میں مشاہداتی اور تاثراتی کیفیت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ ان کی مناجاتوں اور نعتوں کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں:۔

کب سے کھڑی ہوں یارب امید کے سہارے — یہ دن نہ جانے میں نے کس طرح سے گزارے
بے چین و مضطرب دل جا کر کسے پکارے — وہ کون ہے جو حالت بگڑی ہوئی سنوارے

ہے باب یہ کرم کا خالی نہ پھیر یارب
دینا اگر تجھے ہے پھر کیوں ہے دیر یارب

محروم وہ نہ جائیں دست دعا اٹھا کر — مشکل نہیں تجھے کچھ جو چاہے تو عطا کر
اے رحمت دو عالم وعدہ ثواب وفا کر — مانگا ہے میں نے تجھ سے کس طرح گڑگڑا کر

کب سے لئے کھڑی ہوں میں کاسۂ گدائی
اب تک ملا نہ مجھ کو اور شام ہونے آئی

خوش قسمتی کا باعث تکلیف کو بنا دے — تسنیم کو الٰہی دونوں جگہ جزا دے
تقدیر کو جگا دے، تدبیر کو منا دے — ذرہ کو اب تو یارب رشک قمر بنا دے

بندہ نواز میری منت کی لاج رکھ لے
میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

تیری صفت رحمان ہے اور بے نیازی بھی صفت
بندہ نوازی بھی صفت اور کارسازی بھی صفت

کیا ہے نظم و نسق جس میں کچھ کمی بیشی نہیں — روز ازل سے آج تک کوئی بھی تبدیلی نہیں

تسنیم ہو دونوں جہاں میں سرخرو اور کامیاب
اب کھول دے مجھ پر الٰہی شفقت و رحمت کے باب

اللہ کا گھر اور یہاں ہم ایسے گنہ گار — یہ فضل ہے اس کا کہ کیا حاضر دربار
کیا تم سے کہوں کونسا نقشہ نظر آیا — ہم جس کو ترستے تھے وہ کعبہ نظر آیا!
آنکھوں نے جو دیکھا ہے بیاں ہو نہیں سکتا — جو نقش ہے دل پر وہ عیاں ہو نہیں سکتا
اللہ ترے در سے نہ جائے کوئی خالی — محروم ہو نہ کوئی کہ یہ باب ہے عالی

کعبۂ اقدس سے یارب کیسے جایا جائے ہے
اس مبارک گھر سے منہ کو کیسے پھیرا جائے ہے
یہ بتا تو ہم سفر اٹھیں قدم کیونکر مرے
ہے کشش ایسی کہ پلٹے دل تو پھیلا جائے ہے

مجھ سے اس بیت مقدس کی حقیقت کچھ نہ
کیا بتاؤں میں کہ دل قابو سے نکلا جائے ہے
مجھ پہ کیا موقوف ہے یہ اہل دل سے پوچھئے
جس کو دیکھو کعبہ سے آنسو بہاتا جائے ہے

ان کی نعتوں کا مجموعہ "موج تسنیم" کے نام سے شائع ہوا تھا اس کے چند اشعار منتخب کئے جاتے ہیں جن سے ان کی خصوصیت کا اندازہ ہوتا ہے خاص طور پر مندرجہ ذیل سلام حفیظ جالندھری کے سلام کی یاد دلا دیتا ہے۔

سلام اے رحمت عالم، سلام اے نور یزدانی
سلام اے فخر آدم اور فخر نوع انسانی
سلام اے مالک کوثر، شفیع امت عاصی
سلام اے معدن لطف و کرم، محبوب سبحانی
سلام اے رونق کعبہ، سلام اے زینت طیبہ
سلام اے مظہر علم و ہدایت، شمع ایمانی
چلا رحمت کا بادل کعبہ سے اٹھ کر مدینہ کو
مدینہ ہو گیا رشک چمن اور جنت ثانی
کھلی قسمت کہ کاشانہ بنا گنج رسالت کا
زمیں کے بخت جاگے، کی قبول اس نے جو مہمانی
ترے مسکن کے کوچہ کوچہ میں انوار کی بارش
سہانی صبح طیبہ ہے، شب طیبہ ہے نورانی

یہی ہے آرزو دل کی کہ میں اڑ کر پہنچ جاؤں
اور ایسی جاؤں کہ جا کر وہاں سے پھر نہ میں آؤں
انھیں کے روضۂ اطہر کی فرش راہ بن جاؤں
گزاروں زندگی قدموں پہ ان کے اور مر جاؤں
تمنائے دلی یہ ہے مدینہ میرا مسکن ہو
وہی جائے سکونت ہو وہی پھر میرا مدفن ہو

رسول خدا خاتم المرسلیں حبیب خدا شافع المذنبیں
مکمل ہوا جن پہ دین متیں منزل ہے جن پر کلام مبیں
رموز الٰہی کے پیکر تھے وہ
خدا کے سوا سب سے بہتر تھے وہ الخ

تھے جو صدیوں کفر میں مبتلا، انھیں چند دن میں کیا رہا
جو کسی سے برسوں نہ ہو سکا وہ حضورؐ کر کے دکھا گئے
کہیں بت کی پوجا تھی سر بسر، کہیں آگ پجتی تھی بے خطر
کہیں پتھروں پہ جھکے تھے سر انھیں ایک در پہ جھکا گئے

صبح سعادت، مہر درخشاں، ظلمت شب میں اختر تاباں
حسن سراپا نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
نور ہے جس کا سب سے اول بعثت جس کی سب سے آخر
سب سے مؤخر سب پہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم!

تمہاری آل میں اک خاکسار ہم بھی ہیں
چمن میں اک شجر خاردار ہم بھی ہیں

تمہارے امتی ہیں یہ شرف ہی کیا کم ہے
ہے اب یہ فخر کہ تم میں شمار ہم بھی ہیں

جو نسبت آپ سے دیتے ہیں شرم آتی ہے
کہ اپنے حال پہ خود شرمسار ہم بھی ہیں

تمہاری آل میں ہونے کا جو شرف بخشا
رہین منت پروردگار ہم بھی ہیں

صبا جو تیرا گذر ہو تو عرض یہ کرنا
کہ حاضری کے لیے بیقرار ہم بھی ہیں

دلکشی بھی رعب بھی مانند بدر و آفتاب
دونوں رخ شان جمال او جلالی دیکھنا

رافت و رحمت کے پیکر صاحب خلق عظیم
جن پہ پتھر آں گورہ وہ خلق عالی دیکھنا

جس نے دیں ایذائیں ان کے واسطے کی ہے دعا
قلب پاکیزہ رہا نفرت سے خالی دیکھنا

ان کی ایک نعت "دیار حبیب" ہے جس کے بعض بندوں پر مسدس حالی کا دھوکا ہو جاتا ہے اور ان کی قادر الکلامی کی واضح دلیل ہے۔

اک ایمان کی شمع اس نے جلادی
کہ تاریک خطہ کو جس نے جلا دی

عرب کی زمیں نور سے جگمگا دی
جو بگڑی تھی حالت وہ دم میں بنادی

گھٹا چھٹ گئی ظلمت شب کی ساری
ہوئے حق کے طالب بتوں کے پجاری

میری بے زبان استانیاں

امۃ اللہ تسنیم

ابتدائی تعلیم میں نے اپنے مخدوم و محترم چچا مولوی سید عزیز الرحمان صاحب سے پائی۔ چچا جان نے بہت خلوص اور محبت سے تعلیم دی اور تھوڑی بہت تربیت بھی فرمائی۔ اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کا سلیقہ ادب اور قاعدہ بہت کچھ انھوں نے سکھایا۔ ساتھ ہی ساتھ سینے پرونے، پکانے، کاڑھنے بنانے کی ترغیب بھی دیتے رہے۔ اور ہمت بڑھاتے رہے۔ کلام مجید، اردو کی پہلی کتاب اور فارسی کی کتابوں میں آمد نامہ، گلزار دبستان، رقعات عالمگیری بھی پڑھی، رقعات عالمگیری کے گیارہ سبق ہوئے تھے کہ میری بڑی بہن کی شادی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور تعلیم کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اب میں خود کتابوں کا مطالعہ کرنے لگی۔ سب سے پہلے میں نے اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب مرحوم کی لکھی ہوئی کتابیں تعلیم الاسلام، نور الایمان، اصلاح، استفادہ دیکھیں، ان کتابوں کا مجھ پر خاص اثر پڑا۔ جو باتیں یاد رکھنے والی تھیں مسئلے مسائل وغیرہ وہ تو میرے دل نے محفوظ کر لئے اور جو دینی خوبیاں اور اچھے اخلاق تھے ان کا دل پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ اور میں نے ان کو قبول کرنے اور اپنانے کی پوری کوشش کی، نور الایمان سے ایمان و عقیدہ میں پختگی پیدا ہوئی۔

میری والدہ ماجدہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش فرمائے اور مجھے ان کا پورا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دن بھر خانہ داری کے کاموں اور والد صاحب کی اطاعت میں مصروف رہتیں اور راتوں کو ہم لوگوں کو بٹھا کر نماز کی ترکیب سکھاتیں۔ کلام مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کراتیں۔ اللہ و رسول کے تذکرے کرتیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم اجمعین کے واقعات بتاتیں، بزرگوں کی سچی سچی کہانیاں سناتیں ساتھ ہی ساتھ نیکیوں کی ترغیب دیتیں، برائیوں کے برے نتائج دکھاتیں اور کچھ ایسے موثر انداز میں کہتیں کہ دل خود بخود مائل ہو جاتا۔ اور یہ ان کا روز کا معمول تھا۔

میری والدہ حافظ قرآن ہیں۔ مجھے بھی انھوں نے حفظ کرنے کی ترغیب دی، پھر کچھ سوچ کر منع فرمادیا۔ لیکن اتنے عرصہ میں میں سورہ بقر یاد کر چکی تھی۔ پھر انھیں کے فرمانے سے سورۂ یٰسین، سورہ رحمٰن، سورہ ملک، سورہ قیامہ، سورہ دخان اور اپنے شوق سے سورۂ فتح، سورہ عم، سورۂ مزمل، سورہ جمعہ میں نے یاد کیں۔ جو اب تک مجھے یاد ہیں۔ اس زمانہ میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم کی کتابوں کی بہت قدر تھی۔ ہر گھر میں ان کی کتابیں موجود تھیں۔ میں نے بھی مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح پڑھیں۔ بنات النعش سے جغرافیہ کا شوق ہوا۔ حساب سیکھنے کا احساس ہوا۔ چنانچہ تھوڑا بہت سیکھ بھی لیا۔ توبۃ النصوح میں نصوح کے خواب سے بہت عبرت ہوئی۔ اور دین کی طلب پیدا ہو گئی — مراۃ العروس سے بہت کچھ حاصل ہوا۔ گویا میری بہت ہی کم عمری کا زمانہ تھا۔

لیکن بڑی سے بڑی بات حاصل کرنے کا جذبہ فطری تھا۔ بس اصغری کے حالات پڑھ کر بے اختیار جی چاہا کہ ان جیسی بن جاؤں۔ چنانچہ خانہ داری کا شوق، سینے پرونے اور پکانے کی خواہش اور لڑکیوں کو پڑھانے کا جذبہ اسی کتاب کے دیکھنے سے پیدا ہوا۔ چنانچہ کئی لڑکیوں کو پڑھنے کے لیے بٹھالیا۔ ہوتے ہوتے پورا مکتب قائم ہو گیا اور کتنی ہی لڑکیاں فارغ ہو کر نکلیں۔ مجھ کو خود پڑھانے سے فائدہ پہونچا اور جو خانہ داری کا سلیقہ آیا وہ اسی کتاب کی بدولت، پھر علامہ راشد الخیری کی کتابیں صبح زندگی، شام زندگی، شب زندگی، نوحہ زندگی، منازل السائرہ دیکھیں، ان میں سب سے زیادہ شام زندگی کا مجھ پر اثر ہوا۔ آنے والی زندگی میں اس کتاب نے بڑی رہبری کی، پھر نذر سجاد صاحبہ اور محمدی بیگم صاحبہ کی کتابیں دیکھیں، ان کتابوں میں "آج کل"، "چندن ہار" اور "بدمزاج دلہن" سے بہت نصیحت حاصل ہوئی۔ آج کا کام کل پر ڈالنے کی عادت میری بھی تھی۔ وہ اسی کتاب کے دیکھنے سے چھوٹی۔

میرے خالو آنریری مجسٹریٹ مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم نے بہت سی مذہبی کتابیں منگوائیں جن میں اسوۂ صحابہ، اسوۂ حسنہ، سیرۃ الصحابیات بندگی وغیرہ تھیں۔ موصوف نے وہ کتابیں مجھے بھی دیکھنے کو مرحمت فرمائیں — ان کتابوں کو میں نے بہت ذوق و شوق اور غور و فکر سے پڑھا صحابہ کرام، صحابیات رضی اللہ عنہم اجمعین کے تمام اخلاق، عادات کا ایسا اثر پڑا کہ ان خوبیوں کے حاصل کرنے کے شوق میں بے خود ہو گئی۔ پھر قاضی سلیمان صاحب کی رحمۃ للعالمین حصہ اول و حصہ دوم، اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی رحمت عالم اور سیرت عائشہ رض

پڑھیں، سیرت عائشہؓ کے پڑھنے سے عربی کا شوق اور عالمہ بننے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس وقت میرے خاندان میں عورتوں کو صرف کلام مجید اور مسئلے مسائل کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ اور میرا شوق میرے اختیار سے باہر تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے چھوٹے بھائی ابوالحسن علی سلمہٗ سے چپکے چپکے عربی پڑھنا شروع کی۔ علی سلمہٗ بھی اس وقت طالب علم تھے۔ جو خود پڑھتے تھے وہی مجھ کو پڑھا دیتے تھے رفتہ رفتہ میں نے بہت کتابیں پڑھ لیں۔ گو عالمہ نہ بنی مگر خدا کا شکر ہے کہ امام نووی کی ریاالصالحین کا ترجمہ کر کے "زادِ سفر" اور قصص النبیین کا ترجمہ کر کے بچوں کی "قصص الانبیاء" لکھ سکی۔

میرے والد ماجد کے حقیقی پھوپھا سید عبدالرزاق صاحب کلامی میاں کی تصنیف گوہر مخزن، حسام الاسلام اور صمصام الاسلام دیکھیں اور سنیں۔ اس کے دیکھنے سے میرے دل میں عزم واستقلال کی لہر دوڑ گئی۔ دن کو میری خالہ پڑھتیں اور سب بہت ذوق وشوق سے سنتے اور مزے لیتے اور رات کو ہم اور علی بیٹھ کر آپس میں صحابہ کرامؓ کی بہادری کے کارنامے اس ذوق وشوق سے بیان کرتے کہ اچھل اچھل پڑتے۔

اسی اثنا میں اپنے والد ماجد کی گلِ رعنا دیکھی اور دیوانِ غالب، دیوانِ مومن کلیات میر تقی، میر درد، سودا، آتش، امیر مینائی اور کلیات اکبر الہ آبادی، مسدس حالی۔ اور اپنے دادا صاحب کی مسدس خیالی، اقبال کی بانگِ درا اور شکوہ و جواب شکوہ دیکھا۔ ان کتابوں کے دیکھنے سے شعر و شاعری کی طرف طبیعت راغب ہوئی۔ اور کچھ ٹوٹے پھوٹے شعر کہنے کے قابل ہوئی چونکہ طبیعت کا رجحان دعا اور مناجات کی طرف بہت تھا وہ رجحان رنگ لایا چنانچہ مناجاتوں کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں اور مناجاتوں کو قبول فرمائے اور ہر بہن کو نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مرحومہ امۃ اللہ تسنیمؒ صاحبہ کی اہم کتابیں

زادِ سفر — احادیث صحیحہ کا مجموعہ امام نوویؒ شارح صحیح مسلم کی مقبول کتاب ریاض الصالحین کا عام فہم ترجمہ ضروری حواشی اور تشریح عنوانات کے ساتھ حدیث شریف کا ایک چھوٹا سفری کتاب خانہ اور منزل آخرت کا بہترین زادِ سفر قیمت مجلد ۱۳/۵۰

موجِ تسنیم — عشقِ نبی میں ڈوبی ہوئی نعتوں اور مدحیہ اشعار کا گلدستہ جس کو پڑھ کر مردہ دلوں میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن ہو جاتی ہے ہر مسلمان مرد و عورت کے پڑھنے کے لائق کتاب قیمت ۱/۵۰

ہمارے حضورؐ — آسان زبان میں سیرت نبوی پر بہترین کتاب، مولانا علی میاں فرماتے ہیں، تسنیم صاحبہ نے "ہمارے حضورؐ" کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے وہ سیرت کے صحیح اور مستند واقعات پر مبنی ہے زبان نہایت صاف اور شیریں ہے۔ واقعات کا انتخاب بہت اچھا ہے۔ اور موثر اور دل آویز ہے۔" قیمت ۳/-

دیارِ حبیب — مدینہ منورہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہلکے پھلکے اشعار جن میں ہجرت بھی والہانہ انداز میں ذکر ہے۔ قیمت صرف ۱۵/-

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ

اپنی ہمشیرہ مرحومہ کی یاد میں

چند تاثرات

مولانا ابوبکر حسنی

دنیا کے کسی حصہ میں چلے جائیے۔ مشرق ہو کہ مغرب، شمال ہو کہ جنوب آپ کو ہر جگہ ایک جگہ قدرِ مشترک ملے گی۔ اور وہ ہے علم و عمل کا تضاد یا یوں کہئے کہ قول و فعل میں عدم مطابقت ـ کوئی قوم ہو، ادنیٰ کہ اعلیٰ، اس عیب سے خالی نہیں، افراد پر نظر ڈالئے تو ہر شخص میں یہی عیب نمایاں ہوگا. الا ماشاء اللہ

یہی عیب ساری دنیا کے فساد کی جڑ ہے. جس طرف نظر دوڑائیے، یہ حقیقت آشکارا ہو کر سامنے آجائے گی. ہر شخص کی زبان اور دل اور، ظاہر کچھ باطن کچھ. سچائی کی ترغیب دے گا ـ خود جھوٹ بولے گا. امانت داری کے وعظ کہے گا. اور خود خیانت کرے گا. ظلم و جور کے مصائب بیان کرے گا خود ظلم کرنے میں مطلق عار نہ محسوس کرے گا. بڑوں کی عزت کی تلقین کرے گا، خود توہین کرے گا. چھوٹوں سے محبت کی نصیحت کرے گا. خود نفرت کا سلوک کرے گا. پڑوسی کے حقوق پر گوہر افشانی کرے گا خود حقوق کا ذرا

لحاظ نہ کرے گا. غیبت کرنے والوں، چغل خوروں، افتراپردازوں پر نخت سے نخت تنقید کرے گا. خود کو ان تمام عیوب سے مبرا سمجھے گا. صبر کے فضائل پر گھنٹوں تقریر کرے گا. خود بے صبری میں اپنی آپ مثال ہوگا. شکر کے محاسن پر دفتر کے دفتر سیاہ کرے گا. خود ناشکری کے آخری حد کو پہنچ چکا ہوگا۔ دوسروں کے فرائض و واجبات گنائے گا. اپنے فرائض بھول جائے گا. قربانی و ایثار دوسروں کے لئے واجب شمار کرے گا۔ اور اپنے لئے ناروا، دوسرے محل، خود بخیل ہوگا. دوسروں کو سخاوت کی دعوت دے گا خود لالچی ہوگا۔ دوسروں کو طمع نہ کرنے کی نصیحت کرے گا. خود مغرور ہوگا، دوسروں کو تواضع اور انکساری کے درس دے گا۔ اور یہ حال ہم ایسے عام لوگوں کا ہی نہیں، بلکہ ساری دنیا ایسے انسانوں سے پٹی پڑی ہے۔ یورپ، امریکہ روس و چین کا ذکر چھوڑئیے. وہ لوگ گئے گذرے ہیں. مشرقی ممالک پر نظر ڈالئے۔ ہندوستان ہو کہ پاکستان، عرب ہو کہ انڈونیشیا. ہر جگہ ایسے ہی انسان ملیں گے۔ کہیں لاکھوں میں ایک آدھ انسان ملے گا جسے آپ حقیقی معنوں میں انسان کہہ سکیں، دوسرے معنوں میں جسے آپ مومن کہہ سکیں، جس کا ظاہر و باطن ایک، علم و عمل میں یکسانیت، قول و فعل میں یگانگت، صابر بھی شاکر بھی، متواضع بھی اور غمگسار بھی۔ سخی بھی اور خود دار بھی۔ جس کو خوف حشر ہو اور سزا و جزا کے خیال سے تھراتا ہو. اللہ کا خوف بھی ہو اور اس سے عشق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی ہو۔ اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری میں اپنی نجات سمجھتا ہو۔ حال و قال ایک ہو، قیل و قال کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

نمازوں میں لذت محسوس کرتا ہو۔ اور فرائض و سنن کے علاوہ نوافل کی کثرت پر عامل ہو۔ اس کی دعاؤں میں گریہ و زاری ہو۔ نفلی روزوں تک کا اہتمام ہو، کلام مجید کی تلاوت کا شوق ہو۔ اور اس پر مداومت، اوراد و وظائف اس کا معمول ہو، ضیافت و مہمان نوازی اس کی عادت ہو، باتحمل ہو، نرمی، زبان شیریں اور دل پاک و صاف ہو۔ سلامتی اس کے مزاج میں ہو۔ حکیم و دانا ہو، غصہ کو پیتا ہو، نرم جو اور نرم خو ہو، جسے دیکھ کر فرشتے یاد آجائیں۔

ایسے اوصاف عالیہ کا جب بھی خیال آتا ہے۔ بلاشبہ اپنی بہن مرحومہ یاد آجاتی ہیں۔ اللہ اللہ کتنی خوبیوں کی مالک تھیں۔ انھیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور دور سے بھی، گفتگو بھی کی، برتا بھی، پاس اٹھا بیٹھا بھی۔ دعائیں کرائیں بھی اور دعائیں لیں بھی۔ مجمع صفات و کمالات تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے کیا کیسا انھیں نوازا تھا۔ کیا کیا کہوں اور کیا کیا بتاؤں۔ نہ حسد نہ بغض، نہ کدورت نہ رنجش، نہ شکایت نہ حکایت، نہ انتقامی جذبہ، نہ مخالف سے پرخاش۔ عفو و درگزر ان کا شیوہ، دل نازک و نرم اور خوف خدا ایسا کہ آندھی آئی، ہوا تیز چلی، بجلی چمکی، بادل گرجا کہ انھوں نے مصلیٰ سنبھالا۔ نفلوں پر نفلیں پڑھے جا رہی ہیں۔ رو رو کر دعائیں مانگ رہی ہیں، گڑگڑا رہی ہیں۔ استغفار و درود ورد رہی ہیں۔ کبھی سورۂ یٰسین کا ورد ہے تو کبھی کسی اور سورۃ کا، کسی کل قرار نہیں تاآنکہ یہ مصیبت نہ ٹل جائے۔

کوئی بیمار ہوا، یہ عیادت کو جا رہی ہیں۔ دوا بتا رہی ہیں۔ دلاسہ دے

رہی ہیں۔ بیمار کو سکون آگیا ہے۔ مگر یہ ہیں کہ اسی طرح بے چین۔ کوئی بی بی اپنا دکھڑا لے کے بیٹھ گئیں۔ یہ انھیں صبر کی تلقین کر رہی ہیں۔ ہمت بڑھا رہی ہیں اور ان کی دل جوئی کے سامان مہیا کر رہی ہیں۔

خوشی کا موقع ہے تو اللہ کا شکر ادا کر رہی ہیں۔ زبان و دل ہی سے نہیں بلکہ سجدہ ریزی اور کلام الٰہی کے ورد سے بھی، خواتین کے اجتماعات بھی کر رہی ہیں اور میر محفل بنی گوہر افشانی فرما رہی ہیں۔ غریب و امیر، جوان و بوڑھے چاروں طرف سے کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ یہ پرکشش شخصیت اور حد درجہ محبوب و مقبول۔ ان کے شب و روز پر نظر ڈالئے تو کسی وقت انھیں آپ خالی بیٹھا ہوا نہ پائیں گے۔ کہیں گھر کی دیکھ بھال ہے تو کبھی مہمانوں کے آرام کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ ان کے رہن سہن، سونے جاگنے، ناشتہ کھانے کا نظم و ضبط کیا جا رہا ہے اور اسی فکر میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ یہی نہیں، کسی کو تعلیم دے رہی ہیں ____ تو کسی کی تربیت میں لگی ہوئی ہیں۔ کسی کو مشورہ دے رہی ہیں۔ تو کسی کو نصیحت، پریشان حال آیا تو مدد ہو رہی ہے۔ کسی کو تعویذ دے رہی ہیں تو کسی کو پھونکا ہوا پانی، ساتھ ساتھ عیادت بھی ہے اور مزاج پرسی بھی، استقبال بھی ہے اور وداع بھی، وقت بچا تو تصنیف و تالیف میں لگ گئیں۔ اور جس ذات پاک نے انھیں ان اوصاف کا حامل بنایا۔ اس کی حمد و ثنا میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے۔ نعتیں کہنے پر آئیں تو ہزاروں نعتیں کہہ ڈالیں۔ آخر کب تک۔ وقت موعود آ ہی گیا۔ ان کی روح کو تسکین تو انشاءاللہ مل گئی، ہم مگر تڑپ کر رہ گئے۔ اللھم اغفر لہا وارفع درجاتہا۔

اللہ ترے در سے نہ جائے کوئی خالی

از : امۃ اللہ تسنیم صاحبہ

اللہ کے گھر اور ہیں ہم ایسے گنہگار
یہ فضل ہے اُس کا کہ کیا حاضرِ دربار

دل ہو گیا مسرور جو کعبہ نظر آیا
سب کلفتیں ہوئیں دور جو کعبہ نظر آیا

کیا تم سے کہوں کون سا نقشہ نظر آیا
ہم جس کو ترستے تھے وہ کعبہ نظر آیا

آنکھوں نے جو دیکھا ہے بیاں ہو نہیں سکتا
جو نقش ہے دل پر وہ عیاں ہو نہیں سکتا

ہے پردۂ اسود پہ جو تحریر سنہری
کعبہ کے گلے میں ہے وہ زنجیر سنہری

آؤ تو ذرا کعبہ کی قسمت کو تو دیکھو
اللہ کے گھر دین کی شوکت کو تو دیکھو

انعام اور اکرام کی بارش یہاں دیکھو
اللہ کے بندوں پہ نوازش یہاں دیکھو

ادائیگیٔ ارکان کا جلسہ یہاں دیکھو
اللہ کے انوار کا جلوہ یہاں دیکھو

کوئی محوِ نماز اور کوئی مصروفِ دعا ہے
کوئی گرمِ طواف اور کوئی سجدے میں پڑا ہے

سعی میں ہے سرگرم کوئی یادِ خدا میں
مصروفِ تلاوت میں کوئی حمد و ثنا میں

روتا ہے کوئی کعبہ کے پردے سے لپٹ کر
مشغولِ بکا ہے درِ اقدس سے چمٹ کر

سجدے میں پڑے ہیں کوئی میزاب کے نیچے
کوئی روتے ہیں در پکڑے ہوئے باب کے نیچے

تسلیمِ دعا کر کہ یہ موقع ہے دعا کا
وہ باب کھلا ہے ترے مولا کی عطا کا

اللہ ترے در سے نہ جائے کوئی خالی
محروم نہ ہو کوئی کہ یہ باب ہے عالی

مل گیا زادِ سفر مجھ کو سفر سے پہلے

از : محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی

ہماری پھوپھی امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ کا حادثۂ وفات اماں بی (والدۂ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ) کے حادثۂ وفات سے کسی طرح کم نہ تھا بلکہ بعض وجوہ اور حیثیتوں سے اس سے زیادہ جاں گداز اور جاں سوز تھا۔ ان للہ ما اعطی ولہ ما اخذ وکل عندہ باجل مسمّی

اماں بی کے انتقال کے بعد ان کی جانشین اور دولت کی امین[1] ہمارے گھرانے اور خاندان کی خواتین میں وہی سمجھی جاتی تھیں لیکن کس کو اندازہ تھا کہ وہ اس قدر اچانک اور اتنی جلد ہم سے رخصت ہوں گی اور ان کے فیض و برکات کا سایہ جس سے بڑی ڈھارس رہتی تھی۔ ہمارے سر سے اٹھ جائے گا۔ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ کا تعارف (اپنی والدہ ماجدہ کی طرح بلکہ اس سے کچھ زیادہ) اپنی کتابوں مضامین

---

[1] الحمد للہ یہ دولت ہمارے گھر میں اب بھی موجود ہے اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی اور ان کی ہمشیرہ محترمہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ مدظلہا کا وجود آج ہم سب کے لیے باعث برکت اور سایۂ رحمت ہے۔ ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است خم و خمخانہ با مہر و نشاں است۔ اطال اللہ بقاءھما ونفعنا ببرکاتہما

اشعار، نعتوں اور ماہنامہ رضوان کی وجہ سے جس کی وہ شریک ادارت تھیں۔ خاندان سے باہر بھی بہت تھا۔ ملک کے علمی و دینی حلقے، دین دار گھرانے، بزرگ اور علماء و مشائخ سے تعلق رکھنے والے، دین کے دردمند اور عورتوں میں دینی زندگی کی بقاء و احیاء کے فکرمند، اصحاب علم و اہل دل اکثر ان سے واقف اور ان کی دینی خدمات کے معترف تھے۔ اس کا صحیح اندازہ ان کے انتقال کے بعد ہوا۔ ان کے فیض و برکت کا دائرہ کتنا وسیع تھا، اور ان کی تصنیفات اور تحریروں سے کہاں کہاں فائدہ اٹھایا گیا۔ اور کس طرح دل کھول کر ان کے لیے ہر جگہ دعائیں ہوئیں اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

عم مخدوم و معظم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے اپنے مفصل اور درد انگیز مقالہ میں (جس کو اشکبار ہوئے بغیر پورا پڑھنا مشکل ہے)۔ اور جس کا صحیح اندازہ انھیں کو ہو سکتا ہے۔ جن کے دل پر کبھی کوئی چوٹ لگی ہو۔ اور وہ محبت کے اداشناس ہوں۔ اور محبت کی زبان سمجھتے ہوں) بلاشبہ ایک ایسے ہی فراق اور غمزدگی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو بہتے ہوئے دیکھ کر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں رکھتا ہے) ان کی پوری کہانی آپ کو سنائی ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ ان تین چیزوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا مقصود ہے جن پر مذکورہ بالا مقالہ سے بھی روشنی پڑتی ہے۔ جو ان کی کتاب زندگی کے (جو ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء کی صبح کو ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی) اعلیٰ عنوان بن سکتے ہیں۔

ایک ان کا صبر مسلسل مجاہدہ اور نفس کشی بلکہ بے نفسی ہے جو اس کتاب زندگی کے ہر صفحہ بلکہ سطر سطر سے نمایاں ہے اور جس کا صحیح اور پورا اندازہ ان کے قریب رہنے والوں ہی کو ہو سکتا ہے

دوسرے ان کا درد و سوز جو ان کے اشعار (نظموں، مناجاتوں اور نعتوں سے پوری طرح عیاں ہیں) بلکہ چھلکا جا رہا ہے۔ تیسرے ان کی محبوبیت و دلنوازی جس نے خاندان کے بچہ بچہ کو بلکہ ان کی سب ملنے والیوں کو ان کا گرویدہ اور اسیر بنا دیا تھا۔

ان کی پہلی صفت میں ہمیں قرآن مجید کی اس آیت کا ظہور نظر آتا ہے۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ
والعشی یریدون وجھہ

اس آیت میں خود حضور کو ارشاد ہو رہا ہے کہ تم ان لوگوں کی رفاقت کو مضبوط پکڑ لو جو صبح شام اللہ تعالیٰ کی یاد، عبادت و دعا میں مشغول رہتے ہیں اور صرف اسی کی خوشنودی اور رضا کے طلبگار ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے ان مخلص، پاکباز اور اطاعت گزار بندوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہوگا۔ جن کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے۔ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی رفاقت کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ میں ہمیں دعا و عبادت اور اخلاص و للہیت کا یہ پرتو نظر آتا ہے جس کا بیان ابھی گذرا ہے۔ ان کے دو ہی کام تھے۔ دعا و نماز اور دوسروں کی خدمت و خیر خواہی، صحیح مشورہ و رہنمائی اور خدا سے عاجزانہ عرض و نیاز۔ اس میں ان کے ہاں کوئی اونچ نیچ اور نشیب و فراز نہ تھے کہ

آج کچھ ہے کل کچھ۔ صبح کو کوئی کیفیت ہے، شام کو کوئی کیفیت، اور اسی یکسانی، اعتدال، استقلال، یکسوئی اور متاع دنیا سے بے رغبتی۔ اور کنارہ کشی کے ساتھ، زندگی کے آخری ایام تک اس جادہ حق پر ثابت قدم رہیں۔ اور اسی حال میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

ان کے لیے اسی یکسوئی کا انتظام خود بخود قدرت کی طرف سے ہوتا گیا۔ اب وہ تھیں اور قلم دوات و کاغذ۔ حمد و مناجات، تصنیف و تالیف۔ اگر کچھ وقت بچتا تو وہ بچیوں کی تربیت و نگرانی میں گزرتا۔ اس پورے طویل عرصہ میں ان کو کبھی سامان راحت اور اسباب زینت کی طرف توجہ کرتے ہوئے بلکہ اس کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ انھوں نے اس ایک زیان پر (اگر اس کو زیان کہنا صحیح ہے) بڑے نفع کا سودا کر لیا تھا۔ جس کو مفتی صدر الدین آزردہ نے اپنے اس نفیس اور مشہور شعر میں بیان کیا ہے

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

شروع سے صلاح اور توجہ الی اللہ، انابت اور خشیت الٰہی ان کی فطرت و سرشت میں داخل تھی۔ عمر کے ساتھ اس میں برابر جلا ہوتی گئی۔ آخر میں انھوں نے ایک اور درد سر جان بوجھ کر خرید لیا تھا۔ اور وہ بھی کھانے پینے کی ضروری اشیا کی تجارت، یہ دکان (رواجی معنی میں نہیں) انھوں نے دوسروں کی خدمت اور آخرت کا نفع کمانے کے لئے کھولی تھی، اور یہ کام بھی وہ دعا اور عبادت کی طرح کرتی تھیں۔ اسی جذبے، اسی دلسوزی

فکرمندی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ۔ اس کے لئے وہ مقروض ہوئیں۔ پریشان ہوئیں، مشغولیتوں اور معمولات میں خلل واقع ہوتا۔ لیکن یہ سب کچھ وہ خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتیں۔ اور اگر کبھی ازراہ ہمدردی ان کو اس کا مشورہ دیا جاتا کہ وہ اس کام کو چھوڑ دیں تو اس کو قبول نہ کرتیں

جہانے چند دادم جاں خریدم
وے نازاں کہ بس ارزاں خریدم

صبح شام کی عبادت اور لکھنے پڑھنے کی مشغولیت اور جذبۂ دعا و ذوق عبودیت کے ساتھ ان کا ہر دن اسی مبارک و بے غرضانہ خدمت میں گزرتا۔ جس کو بہت سے لوگ دنیا یا کم درجہ کی دینداری سمجھتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس دعا و عبادت میں تو عُجب کا شائبہ بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ عبادت اپنی شکل کی وجہ سے اکثر اس خطرے سے محفوظ رہتی ہے۔

یہ ان کی بے نفسی، صدق و اخلاص اور صبر و عزیمت کا ایک بڑا میدان تھا جس کو انھوں نے بڑی ہمت اور استقامت کے ساتھ طے کیا اور دونوں کام اس طرح کئے کہ کبھی ایک دوسرے کی حق تلفی یا کمی و زیادتی نہ ہوئی۔ یہ ان کے اخلاص اور حسن نیت کی برکت تھی جو ہر شخص کو آسانی سے میسر نہیں آتی ؎

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن
مرج البحرین یلتقیان بینهما برزخ لا یبغیان

اس کے علاوہ انھوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی اپنے آرام و راحت سے آنکھیں بند کر کے جس طرح خدمت کی اور اپنی جنت بنالی وہ اسی عنوان کے تحت آ رہی ہے

ان کے پاس اگر کچھ اور توشہ اور زاد سفر اس کے علاوہ نہ ہوتا تو ان کے لیے (انشاء اللہ) کافی تھا لیکن اس زاد سفر کے ساتھ اس زاد سفر نے بھی ان کے نامہ اعمال کو اور روشن کر دیا ہے جو حدیث نبوی کے ایک مقبول و معروف مجموعہ ریاض الصالحین کا دلنشیں و سلیس ترجمہ ہے جس نے بلا مبالغہ ہند و بیرون ہند کے ہزاروں بندگان خدا نے فائدہ اٹھایا ہے اور جس کا ہندی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اور مقبول ہوا ہے۔

صبر و مجاہدہ کی اس زندگی کے دوسرے واقعات سے صرف نظر کرتے ہوئے (جس کا اصل اندازہ ان کے اہل خاندان ہی کر سکتے ہیں، اور اس کا امتیاز سمجھ سکتے ہیں) ان کی دوسری خصوصیت کی طرف آئیے جو در اصل قرآن مجید کی اس آیت کی تصویر اور حقیقتاً اس نسبت گرامی کا عکس ہے۔ جو ان کو حاصل تھی۔

ان الذین آمنو و عملوا الصالحات سیجعل لہم الرحمٰن ودا
(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کو رحمٰن محبوبیت عطا فرمائے گا)

ان کے ایمان و یقین اور پاکیزہ و مومنانہ زندگی کی تاثیر سب سے زیادہ ان کی اسی محبوبیت اور ہر دلعزیزی اور شان دلنوازی میں ظاہر ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق اور فضائل و شمائل کے تذکرہ میں آتا ہے کہ ہر شخص سمجھتا تھا کہ آپ سب سے زیادہ اسی کو چاہتے ہیں۔ پیروی اور اخلاص کی برکت نے یہ وصف امۃ اللہ تسنیم صاحبہ میں پوری طرح موجود تھا۔ خاندانوں میں ایسے افراد شاذ و نادر ہوتے ہیں جن پر سب متفق ہوں، اور ان کی محبت کا دم بھرتے ہوں اور ان کا کلمہ پڑھتے ہوں، کسی نہ کسی پہلو سے کسی

نہ کسی کو شکایت ضرور ہوتی ہے۔ کبھی بجا کبھی بے جا۔ لیکن اس خیال کے باوجود کہ خاندان کے ہر فرد اور اکثر قدر داں خواتین کی نظروں سے یہ سطریں گذریں گی، ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جس کو ان سے کسی حیثیت سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ اس کے برعکس خاندان کا ہر رکن حتی کہ بچے اور بچیاں سب یہ سمجھتے تھے وہ ان کو سب سے زیادہ چاہتی ہیں یا ان کا سب سے زیادہ خیال کرتی ہیں۔

ان کا چہرہ دیکھ کر صاف نظر آتا تھا کہ ان کا سینہ ہر کینہ سے پاک ہے یہ ان کی روح کی بالیدگی اور دلآویزی تھی۔ جو ان کے میٹھے اور محبت بھرے بول ان کے چہرے کی بشاشت، ان کی مخلصانہ نصیحت، ان کے خیر خواہانہ مشورہ۔ غرض کہ ان کی نقل و حرکت، نشست و برخاست، ہر چیز سے نمایاں تھی۔ غریب عورتیں اور ملازمائیں خاص طور پر ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتی تھیں۔ عزیز بچیاں اور بچے ان کا حکم بجا لانا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اور محض تعمیل حکم کے جذبے سے ہی محبت اور لذت کے ساتھ ان کا کام کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شدید علالت کے دوران اسپتال میں ان بچوں نے وہی کیا جس کی ان سے توقع تھی۔ ان کی غفلت و بیہوشی کے زمانہ میں جس کا سلسلہ تین روز جاری رہا۔ انھوں نے اس طرح جی جان سے ان کی خدمت کی جیسے وہ سب کچھ دیکھ رہی ہوں بلکہ ان کو شاباشی اور دعائیں دے رہی ہوں۔ اس کا راز یہی محبوبیت اور خون کے رشتہ سے زیادہ دین کا رشتہ ہے جو ان کی فطری دینداری سچی مذہبی زندگی، خدا سے گہرے تعلق اور حسن نیت نے ان کے اندر پیدا کر دی تھی۔

ہمارے خاندان اور گھرانے کی متعدد بچیاں تربیت و تعلیم کے لیے یکے بعد دیگر

ان کے زیر نگرانی اور زیر سایہ رہتی اور اس لطف و محبت سے آشنا ہوئیں جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے ان کو تعلیم بھی ملی، محبت و شفقت بھی۔ دینی رہنمائی اور نگرانی بھی اور سب سے بڑھ کر وہ نمونہ بھی جو سیکڑوں کتابوں اور تقریروں سے زیادہ موثر اور سبق آموز ثابت ہوتا ہے۔ اور عمل کا داعیہ پیدا کرتا ہے

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك"

آپ اللہ کی عطا کی ہوئی رحمت سے ان کے لیے نرم ہیں۔ اگر آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔

یہ نرم خوئی اور نرم دلی اگر ایمان و احتساب اور تعلق مع اللہ کے جذبے کے ساتھ کسی میں پیدا ہو جاتی ہے۔ تو دلوں کو مسخر ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اور اس کی مقبولیت و محبوبیت ایک مسلمہ حقیقت بن جاتی ہے۔

لیکن ان کی یہ محبوبیت اور دلآویزی اور دلنوازی، ایک طرف حسن اعتدال سے عبارت تھی دوسری طرف اس درد و سوز اور دل کی آنچ سے گرم و سوز تھی۔ جس کا زیادہ اندازہ ان کی مناجاتوں، عرض حال اور ان کی تصنیفات و واردات سے ہوا۔ جب سے ان کا کلام لبریز ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ چھلک رہا ہے۔

اعتدال و میانہ روی میں جس کو حدیث میں اقتصاد سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس کے متعلق ایک جگہ حضور کا ارشاد گرامی ہے: "احب الاعمال الی اللہ

ادومها وان قل" اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے پسندیدہ کام وہ ہے جو برابر کئے جائیں. خواہ ان کی مقدار و تعداد کم ہو) وہ اپنے برادر معظم ڈاکٹر و حکیم سید عبد العلی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) جن کو وہ بھائی صاحب کہتی تھیں بہت مشابہ اور ان کے ذوق سے قریب تھیں۔ اصابت رائے. سلامتی طبع، توازن و اعتدال، اور کم سخنی میں ان کا کم و بیش وہی طرز و مسلک تھا۔

جہاں تک ان کے اشعار کا تعلق ہے، ان کے مطالعہ ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کسی چوٹ کھائے دل سے نکلے ہیں۔ خاص طور پر ان کی مناجاتوں میں جب وہ اپنے خدا سے عرض حال کرتی ہیں۔ اور ناز و اعتماد کے ساتھ اس کے در رحمت پہ صدا دیتی ہیں ؎

یا رب در رحمت پہ دیتی ہوں صدا کب سے
سائل ہوں ترے در کی کرتی ہوں دعا کب سے

نمونہ کے طور پر ان کی دو تین مناجاتوں سے کچھ اشعار آگے پیش کئے جائیں گے اور اس امید میں کہ شاید اللہ کے کچھ بندے اس کو اپنی دعا و عرض مدعا کا ذریعہ بنائیں۔ اس کا ثواب ان کی روح کو اس عالم میں پہونچے جہاں اس سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں اور جس کے بھیجنے والے بھی اس سے کچھ کم فائدہ میں نہیں رہے

بیٹھی ہوں ترے در پہ نہیں مجھ کو خبر بھی
نالوں نے مرے جانے کیا ہے کچھ اثر بھی!

بے چین ہوں، بیتاب ہوں، امداد طلب ہوں
آسان ہو مشکل جو کرے ایک نظر بھی

چپ چپ پہ میری عزیزوں کے دل پانی ہوئے ہیں
اے ابر کرم تجھ پہ کچھ اس کا ہے اثر بھی
انجام کی ہے فکر کہ آرام ہے مفقود
حاصل ہو خوشی وہ کہ نکل جائے یہ ڈر بھی
اٹھے ہیں میرے ہاتھ بھروسہ ہے کرم کا
اے تیری تسنیم تجھ کو ذرا دیکھ ادھر بھی
بے دل نہ ہو دربار تو اب دیکھ کھلا ہے
ہوتا ہے کرم تجھ پہ ذرا دیر ٹھہر بھی

بنا دل کو علم اور حکمت کا مرکز / ذہانت، ذکاوت، فراست کا مرکز
عطا کر مجھے اب وہ ایمان کامل / کہ روشن ہو جس سے سراپا مرا دل
کہ جھکوں وہاں بدرکامل کی صورت / جو دیکھے کہے نور کی ہے یہ مورت
تو اب مجھ کو وہ جام الفت پلا دے / جو تیری محبت میں بے خود بنا دے
زباں پر ہو ہر دم ترا ذکر جاری / رہے ذکر سے بس زباں تر ہماری
تمنا مجھے بس ترے دید کی ہو / خوشی جیسی لوگوں کو یاں عید کی ہو
دم واپسیں تیرا کلمہ ہو جاری / زباں ایک لحظہ نہ بند ہو ہماری
اسی ذوق اور شوق میں جان نکلے / مرا آخری یہ بھی ارمان نکلے

تمنا ہے تسنیم کی رب اکبر
کہ دونوں جہاں میں ہو انجام بہتر

ان مناجاتوں میں کیا تاثیر تھی اور ان سے کن کن لوگوں نے، کہاں کہاں فائدہ اٹھایا۔ اسکا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کس کو ہو سکتا ہے لیکن اس سلسلے کا ایک دلچسپ واقعہ جو میرے ساتھ پیش آیا۔ یہاں لکھا جاتا ہے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ مزدلفہ سے منیٰ واپسی میں ہجوم اور گاڑیوں کی کثرت سے راستہ بالکل بند ہو گیا تھا۔ ہماری بس بہت آہستہ آہستہ کھسکتی تھی اور پھر بہت دیر کے لیے کھڑی ہو جاتی تھی۔ پیاس اور انتظار کی شدت سے سب کا برا حال تھا۔ ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے جو عالم ہونے کے ساتھ، تاجر بھی ہیں۔ اور بہت مخلص شخص ہیں۔ آخر میں انھوں نے اپنے تھیلے سے ایک مختصر سی کتاب نکالی اور کہا کہ میں اب اپنا وظیفہ شروع کرتا ہوں اور وہ وظیفہ یہ ہے کہ جب اس طرح کی کوئی پریشانی ہوتی ہے اور کام پھنس جاتا ہے تو میں ایک مناجات پڑھتا ہوں۔ اس کے پڑھتے ہی اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ فوراً کام بن جاتا ہے۔ میں نے پوچھا آخر کس کی مناجات ہے نام تو بتائیے! کہنے لگے، ایک امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ہیں یہ ان کی مناجات ہے۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ میرا ان سے کیا رشتہ ہے۔ انھوں نے مناجات نکالی پڑھنی شروع کی۔ اور اللہ کا کرنا کہ پڑھتے ہی پڑھتے اچانک راستہ صاف ہوا اور ہماری گاڑی آسانی کے ساتھ آگے روانہ ہوئی۔ حالانکہ اس سے قبل راستہ اس طرح پیچیدگی کے ساتھ بند تھا۔ کہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہیں شام ہو جائے اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی مناجاتیں لوگ کیسے کیسے مقدس مقامات میں اور کن کن حالات میں پڑھتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو

کیا فائدہ پہونچتا ہے۔ پورا یقین ہے کہ آج یہ صدقہ جاریہ ان کے کفارہ سئیات رفع درجات اور بے اندازہ و بے حساب اجر و ثواب کا ذریعہ بن رہا ہوگا۔

آخری سفر

جنوری کے وسط میں ہم لوگوں کے اصرار سے بڑی آرزوؤں کے ساتھ لکھنؤ آئیں۔ یہ خیال تھا کہ جو تکلیفات چل رہی ہیں یہاں ان کے علاج کی زیادہ سہولت ہے، علاج کا سلسلہ شروع ہوا اور ابتدائی طور پر کچھ فائدہ بھی محسوس ہوا انتقال سے چار روز پہلے بے ہوشی کا پہلا دورہ پڑا، یہ رات کا آخری پہر تھا۔ اور ہم لوگوں کے لئے ان کے سلسلے کا پہلا تجربہ اور اچانک واقعہ۔ قریب کے ایک ڈاکٹر کا فوری علاج ہوا اور چار پانچ گھنٹے کے اندر ہوش میں آگئیں۔ ہم لوگوں نے اطمینان کی سانس لی۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ ہوش میں آنے کے بعد جب ذرا اطمینان ہوا تو کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھا۔ ہم سب کچھ سن رہے تھے لیکن بول نہ سکتے تھے۔ ہر چیز بے حس و حرکت تھی۔ بس دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ تم لوگوں کی ساری پریشانی ہم دیکھ رہے تھے لیکن کچھ کہہ نہ سکتے تھے، تھوڑی دیر بعد گھر کے چھوٹے بچوں کو بلا کر کچھ پیسے دیئے اور کچھ صدقہ بھی کیا۔

لیکن یہ عارضی وقفہ تھا۔ عصر کے قریب بے ہوشی کا دوسرا اور سخت حملہ ہوا۔ جناب ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب پروفیسر میڈیکل کالج کے اصرار پر اور محب گرامی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی صاحب کے مشورہ سے اسپتال میں داخلہ ہوا۔ جہاں ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب کی عنایت سے ہر طرح کی فوری امداد اور طبی سہولت حاصل

ہوئی۔ ڈاکٹر قریشی صاحب کو چھوڑ کر وہ ہمیشہ آڑے وقت کام آتے ہیں میڈیکل کالج کے فاضل شدہ اور زیر تعلیم نوجوان مسلم ڈاکٹروں اور خاص طور پر ڈاکٹر متین الزماں (جو ان کے معالج بھی تھے۔) ڈاکٹر محمد علی، ڈاکٹر تنویر احمد صاحبان نے محض اپنے دینی جذبہ اور علم دین و خدمت دین کی قدر و احترام کی وجہ سے آخری لمحات تک جس طرح ہاتھ بٹایا۔ اور شہر کے مخلص دینی بھائیوں نے جس تعلق کا ثبوت دیا وہ ان کی مقبولیت کی دلیل ہے اور ایک علاحدہ داستان ہے

بالآخر وقت آخر آپہونچا اور ان کے آخری سفر کی پہلی منزلیں نظر آنے لگیں اس وقت سانس سے اور کبھی کبھی زبان کی حرکت سے بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ ذکر میں مسلسل مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے قوی امید ہے کہ ان عارضی تکلیفوں نے جو دو تین روز ان کو رہیں۔ ان کے لیے لافانی نعمتوں اور لازوال و لامتناہی راحتوں کا پورا سامان کر دیا ہوگا۔

نزلاً من غفور رحیم ۔۔۔ مہمانی ہے غفور رحیم کی طرف سے

یہ احساسات و تاثرات ان ہی کی ایک مناجات پر ختم کئے جاتے ہیں جس میں شاید انھوں نے اپنے اسی آخری سفر کی تصویر کھینچ دی ہے اور اپنے اس زاد سفر کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جو وہ اپنے ساتھ لے گئی ہیں ؎

بہت بے لطف اور بے کیف گذری زندگی اتنی
کٹے اب تیری طاعت میں ہے باقی زندگی جتنی
اطاعت ہو شعار اپنا، عبادت ذوق بن جائے
میرا ہر ہر قدم یارب سراپا شوق بن جائے

جیوں تیری طلب میں اور مروں تیری محبت میں
یہ پوری زندگی گذرے الٰہی تیری مدحت میں
مجھے اتنی محبت دے بنوں تصویر الفت کی
سراپا شوق بن کر توڑ دوں زنجیر فرقت کی
یہ جان کنج قفس میں پھڑپھڑائے اور مچل جائے
تجھی کو یاد کرتے کرتے میرا دم نکل جائے
مرے رب مہرباں ہو جا تجھے صدقہ کریمی کا
یہ کلفت پیش خیمہ ہے تری ذرہ نوازی کا
رہے تسنیم ہر لحظہ ترے ہی ذکر میں شاغل
تری بندہ نوازی سے یہ درجہ اس کو ہو حاصل

لکھنؤ کا مشہور و معروف خوشبودار، خوش ذائقہ، مفید صحت اور لذیذ تمباکو

رائل زردہ	اسپیشل رائل زردہ	اکسٹرا اسپیشل رائل زردہ

نمبر ۷۰۱ اور نمبر ۵۰۱

ہمیشہ استعمال کیجیے

بنانے والے
رائل زردہ فیکٹری سعادت گنج لکھنؤ

صحت مند چہرہ، دلکش شخصیت، سرشار آنکھیں — تو
یاد رکھیے

شیر مارکہ سرکہ اور عرق نعناع

ایک عمدہ، صاف، اور لذت بخش غذا، خوش ذائقہ عرق
اور
دسترخوان کا خاص تحفہ ہے
اور

سب سے بڑھ کر

سرکہ، سرکار دو عالمؐ کو پسند تھا

بنانے والے
دی اسپیشل وینیگر مینوفیکچرنگ، راجہ بازار لکھنؤ

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا جذبۂ دعوت و تبلیغ

محمد ثانی حسنی

محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی سے بیعت تھیں۔ حضرت مولانا سے تعلق بیعت نے ان کے دل میں دعوت الی اللہ کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ سنہ ۱۹۷۲ء کو اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ حج کیا۔ کراچی کے حاجی کیمپ سے لے کر جہاز تک اور جہاز سے لے کر مکہ مدینہ کے آخر دن تک تبلیغی جماعتوں کی نقل و حرکت، تقریر و گشت سب ہی کچھ نظروں کے سامنے آیا۔

خدا اور رسول کی محبت اتنی زیادہ انھوں نے پائی تھی کہ پورا سفر جذب و شوق کے ساتھ کیا تھا۔ جب وہ مکہ مکرمہ پہنچیں اور باب السلام سے داخل ہوتے ہی جب ان کی نگاہ کعبہ شریف پر پڑی تو آنکھیں نم ہو گئیں اور زبان سے پرشوق دعائیہ اور شکر و امتنان کے الفاظ نکلے۔ اور بعد میں اشعار کہے جن کا پہلا شعر یہ ہے ؎

اللہ کا گھر اور ہیں ہم ایسے گنہگار
یہ فضل ہے اس کا کہ کیا حاضر دربار

اور جب حج و زیارت کے بعد رخصت ہونے لگیں تو غم فرقت میں یہ شعر کہے

مسلمان اٹھتے ہیں جو سنتے ہیں جانے کی خبر
لاکھ سمجھاتے ہیں دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے!

آرزو ملنے کی ہے اپنے عزیزوں سے بہت
کعبۂ اقدس مگر کس دل سے چھوڑا جائے ہے

جب مدینہ میں حاضری ہوئی تو عرض کیا ؎

مری قسمت کہ میں دیکھوں دیارِ حضرت اقدس
مجھ ایسی بے حقیقت پر ہوا ہے فضل رحمانی

اور جب مدینہ پاک سے رخصت ہونے لگیں تو بادیدہ اشکبار اپنے تاثرات کا اظہار کیا ؎

دل بیتاب کو تھامے ہوئے چلتی تو ہوں لیکن
دولتِ دردِ دل خاکِ مدینہ چھوڑ دوں کیسے

غرض کہ امتہ اللہ تسنیم صاحبہ حج و زیارت کر کے دردِ دل، توفیق عمل جذبہ خدمت خلق اور ولولہ دعوت و تبلیغ کا ایک عظیم تحفہ لے کر واپس ہوئیں دین کا اتنا جذبہ ان میں بیدار ہو گیا تھا کہ اپنے تاثرات اشعار کی شکل میں ظاہر کرنے لگیں کہتی ہیں ؎

تمنا ہے چمن اسلام کا پھولا پھلا دیکھوں
جدھر دیکھوں ادھر ایماں کا جلوہ نما دیکھوں

وہی انداز ایمانی وہی طرز ادا دیکھوں
وہی ہمت شجاعت اور وہی جود و سخا دیکھوں

وہ دنیا کا حال دیکھ کر کڑھتی تھیں اور بے اختیار کہہ اٹھتی تھیں۔

یہاں دن رات دنیا اور دنیا کی کہانی ہے
نہ اب پاس شریعت ہے نہ شوق کامرانی ہے
کھنچے جاتے ہیں دل دنیا کی جانب جو کہ فانی ہے
نہ فکر عاقبت ہے اب نہ فکر جاودانی ہے

ان کی وہ آرزو پوری نہ ہو پاتی تو بے چین ہو کر کہتیں۔

کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر کچھ بس نہیں چلتا
جو کہنا چاہتی ہوں کچھ تو کوئی بھی نہیں سنتا

کبھی مایوس ہونے لگتیں تو کہنے لگتیں ؎

یہ حالت ایسی بگڑی ہے بنائے کچھ نہیں بنتی
بہت بے چین رہتی ہوں مگر اپنی نہیں چلتی

آخر کار اپنے گھر عورتوں کا ایک اجتماع ہر دوشنبہ کو منعقد کرنے لگیں اس ہفتہ واری اجتماع کے منعقد ہوتے ہی خاندان کی ساری خواتین اور آس پاس کی بستیوں کی عورتیں اور بچے مغرب کے پہلے ہی سے جمع ہونے لگتے

مجھ کو پرانے خطوط میں محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا ایک خط مل گیا ہے۔ جو انھوں نے اجتماع شروع کرنے کی اطلاع اپنے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی صاحب کو کی تھی جو سفر پر تھے۔ اس خط کو افادہ عام کی خاطر

نقل کیا جا رہا ہے۔

عزیز از جان علی سلمہٗ

بعد دعائے طول عمر اور ترقی درجات کے معلوم ہو کہ سخت انتظار کے بعد تمہارا خط ملا۔ خیریت پا کے بہت خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے۔ صحت و سلامتی کے ساتھ تمہاری عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین اب دیکھیں تمہارا آنا کب ہوتا ہے؟ اب تو بہت دل چاہتا ہے اور طبیعت عرب آنے کے لیے بہت بے قرار ہے دیکھیں قسمت میں ہے بھی کہ نہیں، اللہ علیم ہے۔

آج کل ماشاء اللہ تمہارے گھر میں عورتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ خاندان کی سب عورتیں اور پردہ (ایک گاؤں) میدان پور (دوسرا گاؤں) کی عورتیں اور لڑکیاں بھی آتی ہیں۔ ہر دوشنبہ کی شام کو یہ مجمع ہوتا ہے۔ دو تین کتابوں کے کچھ باب میں پڑھ کر سناتی ہوں اور ایک کتاب تمہاری دلہن پڑھتی ہیں اور کبھی کبھی شرک و بدعت کے مضامین بھی پڑھ کر سناتی ہوں، پھر کلمہ سنتی ہوں، اس کے معنی بتاتی ہوں۔ وضو، نماز، کی ترکیب اور تعداد پوچھتی ہوں۔ اور آئندہ آنے کی ترغیب دیتی ہوں۔ اللہ بہتر اور کامیاب کرے۔ بہت شوق سے عورتیں آتی ہیں۔ اور خاصا اثر ہوتا ہے۔ بعض بعض روتی ہیں۔ دو مرتبہ لوہانی پور سے بھی عورتیں آئی تھیں۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو خوب بڑھائے اور ہم ناچیز گنہگار سے بھی اپنے دین کی خدمت لے اور اس کا مستحق بنا کے پھر اجر عظیم عطا فرمائے اور خلوص

دل سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے' ریا اور شہرت کی طمع سے بچائے
تم بہت یاد آتے ہو۔ اس موقع پر تم سے بہت مدد ملتی۔ اللہ مدد کرے
اس کی امداد پر بیڑا اٹھایا ہے۔ تم اب خط لکھنا تو لکھنا کہ ہم کو کس طرح کام
کرنا چاہیے۔ اور کون کون سی کتابیں پڑھنا چاہیے۔ ہم اسلام کیا ہے؟
اس کے دو یا تین باب ہر اجتماع میں پڑھتے ہیں۔ تھوڑا سا قیامت کا
حال سناتے ہیں۔ کبھی شرک و بدعت کے مضامین بھی پڑھتے ہیں۔ اب ارادہ
ہے کہ اس اجتماع میں اجتماع کی فضیلت پر ایک مضمون پڑھیں گے۔ لکھا
ہوا رکھا ہے۔ بس تم خوب دعا کرو کہ بہت کامیاب ہو۔ والسلام

یہ اجتماعات برسوں چلے ان کے بہت اچھے نتائج پیدا ہوئے
افسوس ہے کہ آخر عمر میں بیماری اور کمزوری کی بنا پر اجتماع قائم نہ رہ سکے
مگر آج تک عورتیں ان کو یاد کرتی ہیں۔ اور امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کو دعائیں
دیتی ہیں۔ کہ ان کی تبلیغی کوششوں کی وجہ سے سب کو بڑا فائدہ پہونچا۔
اللہ تعالیٰ ان کو ہم سب کی طرف سے بھرپور جزا عطا فرمائے۔ اور
علی علیین میں جگہ دے۔

استانیوں کی ضرورت

پڑھی لکھی لڑکیوں کو قرآن و حدیث پڑھانے کے لئے استانیوں کی ضرورت ہے۔ مناسب تنخواہ
سفر خرچ اور رہائش کا انتظام مدرسہ کی طرف سے۔ تفصیلات کے ساتھ
درخواست اس پتہ پر بھیجئے:۔ محی الدین منیری' غریب خانہ نوائت کالونی
بھٹکل۔ این۔ کے

آرزو ہو میری پوری

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

آپ ہیں سلطان مدینہ — آپ ہیں کان مدینہ
آپ ہیں جان مدینہ — کیسی ہے شان مدینہ
طَلَعَ البدرُ علینا من ثنیات الوداع
وَجَبَ الشکرُ علینا ما دعا للہ داع

آپ محبوب خدا ہیں — اور حبیب کبریا ہیں
رحمت خلق خدا ہیں — ظلمت شب کی ضیا ہیں
طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وَجَبَ الشکرُ علینا ما دعا للہ داع

جامع صدق و صفا ہیں — معدن لطف و عطا ہیں
منبع جود و سخا ہیں — مشعل راہ ہدیٰ ہیں
طلع البدرُ علینا من ثنیات الوداع
وَجَبَ الشکرُ علینا ما دعا للہ داع

شاق ہے مجھ پر یہ دوری — کیسے دیکھوں شکل نوری
آرزو ہو میری پوری — ہو مجھے قرب و حضوری
طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وَجَبَ الشکرُ علینا ما دعا للہ داع

ہماری عائشہ بی

سیّدہ اُمامہ حسنی

عائشہ بی جو امۃ اللہ تسنیم کے نام سے مشہور تھیں جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور اپنے مالک سے جا ملیں۔ میری دادی ہونے کے علاوہ میرے لئے ایک شفیق و محبوب مربی اور معلم کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کے جانے سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ایک عزیز ترین نعمت چھن گئی۔ ان کی شفقتیں زندگی بھر یاد آتی رہیں گی۔ ان کی نصیحتیں ان کی دعائیں ہر جگہ رہنمائی کریں گی۔ میں انھیں عائشہ بی کہتی تھی۔ انھوں نے عائشہ بی ہی کہلوایا۔ چھوٹی بہنیں اور ساتھی لڑکیاں بھی عائشہ بی کہتی تھیں۔ میرا بچپنا انھیں کے پاس گزرا۔ ان سے کچھ دن کی جدائی بھی میرے لئے تکلیف دہ ہو جاتی تھی۔ میرا سارا وقت ان کے پاس گزرتا۔ نبیوں کے قصے بزرگوں کے حالات سناتی رہتی تھیں۔ ہر رات کو یہ معمول تھا۔ جب انھوں نے قصے کہنے شروع کئے تو ترتیب سے شروع کئے۔ پہلے دن حضرت آدمؑ سے شروع کرتیں۔ دوسرے دن حضرت نوحؑ کا اسی طرح ترتیب سے کہتی ہوئی نبی آخر الزماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کرتیں۔ پھر اس کے بعد صحابیوں اور صحابیات کا نمبر آتا۔ پھر تابعین کا، اس کے بعد بزرگوں کے

حالات اسی ترتیب سے سناتیں۔ اور اس طرح سناتی تھیں کہ لطف آجاتا تھا۔ اور ساری ماؤں کو تاکید کرتی تھیں کہ اپنی بچیوں اور بچوں کو پہلے دین کی ہر بات سے واقف کرادو۔ قصے کہانیاں بھی کہو تو اس کا لحاظ رکھو کہ کوئی غلط بات نہ ہو۔ جب کسی کو نصیحت کرتی تھیں تو پہلے خود اس کا نمونہ پیش کرتی تھیں۔ پھر کسی کو اس بات کی تلقین کرتی تھیں، فرماتی تھیں کہ ایک بزرگ کے پاس ایک بچہ اس کی ماں لائی کہ حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے اس کو روک دیجئے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ کل آنا۔ وہ عورت حیران ہوئی کہ یہ کیا بات ہے۔ خیر دوسرے دن وہ آئی۔ آج ان بزرگ نے بچہ کو منع کیا۔ کہ بیٹا گڑ نہ کھایا کرو۔ وہ مان گیا۔ ماں نے پوچھا کہ حضرت کل کیا بات تھی سمجھ میں نہیں آئی۔ فرمانے لگے کہ کل تک میں خود اس عادت میں مبتلا تھا۔ اس لئے کیسے منع کر سکتا تھا۔ میری بات وہ نہ مانتا۔ اسی طرح فرماتی تھیں۔ پہلے اپنے میں اچھائیاں پیدا کرو۔ پھر دوسرے کو نصیحت کرو۔ اسی لئے ہر فرد ان کا احترام کرتا تھا۔

میری عمر چار پانچ برس کی رہی ہوگی۔ جب انھوں نے مجھے سارے کلمے اور مسنون دعائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد والدہ، دادا، چچا ازواج مطہرات صاحبزادیوں، صحابیوں کے نام اور تعداد سب حفظ کرا دیئے تھے۔ عورتوں کا جو اجتماع وہ کرتی تھیں۔ اس دن جو کچھ وہ سناتیں، اس کے بعد مجھے بلاتیں۔ اور سوالات شروع کرتیں۔ تمہارا رب کون، تمہارا دین کیا تم کون، تمہارے نبی کون؟ اور جو کچھ بتا چکی تھیں وہ سب پوچھتی رہتیں۔ میں

سب بتاتی رہتی۔ پھر عورتوں سے فرماتیں۔ سنیئے یہ سب اسے خود سے نہیں آگیا ہے۔ یہ سب بتانے سے آیا ہے۔ اسی طرح اگر آپ اپنے بچوں کو سکھائیں۔ تو کون بچہ ہوگا۔ جو نہ سیکھ سکے گا۔ اس وقت ہر ایک ان سے متاثر نظر آتا۔ عائشہ بی کو ہر بات میں دین کا خیال رہتا تھا۔ چاہے وہ کھانے کا معاملہ ہو یا اور کوئی بات ہر وقت یہ بات ان کے پیش نظر رہتی تھی کہ کس طرح اللہ کی اور نبی کی محبت دل میں کو دوں۔ بچپن میں ایسا ہوتا تھا کہ وہ خود مجھے کھانا کھلاتی تھیں۔ شوربے میں روٹی توڑ کر بھگو دیتیں اور کہتیں۔ دیکھو تمھارے نبی کو ثرید بہت پسند تھا۔ ثرید ہے۔ اسے کھاؤ اور جو چیز تمھارے نبی کو پسند ہوا کرے۔ اس سے کبھی انکار نہیں کیا کرو۔

اتنے اچھے طریقے سے خدا اور رسول کا ذکر کرتی تھیں کہ بچے کے دل میں اچھی طرح سے نقش ہو جائے۔ حج و زیارت کرنے کے بہت دنوں بعد رات میں بٹھا کر وہاں کے حالات سناتی تھیں۔ اور اس طرح سے سناتی تھیں کہ سننے والے کو لطف آجاتا۔ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ مگر اتنا لطف آتا تھا کہ آج اس کا مزا آتا ہے۔ اکثر یہ بات بہت مزے لیلے کر سناتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میں تم سے وہاں کے حالات بیان کر دوں تو تم میرے اوپر سے پھاند جاؤ اور کہو کہ میں نے سمندر پار کر لیا۔ اپنے نبی کے یہاں پہونچ گئے علم کے معاملے میں چاہتی تھیں کہ بہنوں کو علم گھول کر پلا دیں۔ فرماتی تھیں کہ علم حاصل کرو۔ مجھے دیکھو میں نے کس طرح عربی پڑھی اپنے شوق سے پڑھی۔ جس سے موقع ملا اس سے پڑھا۔ بھائی صاحب سے

(میرے نانا ڈاکٹر عبد العلی صاحب) علی سے (ابا جان مولانا علی میاں) اور جو ملا اس سے پڑھا۔ کہنے لگیں ہر کام کا مجھے شوق تھا۔ کوئی کام کسی کو کرتے دیکھ لوں چاہے سنائی کا ہو یا کڑھائی کا ہو فوراً اسے سیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا کہ یہ کام مجھے آئے جب تک اسے سیکھ نہیں لیتی تھی اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ مجھے قالین بنانا آتا ہے تو رات میں مجھے نیند نہیں آئی کہ صبح ہو تو سیکھوں۔ صبح ان سے سیکھ لیا۔ پھر بنا۔ کسی میں اچھی خوبیاں دیکھ کر اتنا رشک پیدا ہوتا تھا کہ خوبیاں جمع ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری حقیقی دادی امۃ العزیز صاحبہ جو بحمد اللہ بقید حیات ہیں۔ اور ابا جان (مولانا علی میاں) اللہ ان دونوں کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ یہ ہمارے خاندان کے لیے بہت بڑی نعمت ہیں۔ ان دونوں بہنوں اور دونوں بھائیوں میں بے مثال محبت دیکھی۔ میں اپنی دادی امۃ العزیز صاحبہ سے کوئی بات پوچھتی فوراً وہ جواب دیتیں۔ عائشہ بی سے پوچھو اگر وہ کہیں تو ٹھیک ہے۔

عائشہ بی کا یہ نظریہ ہمیشہ رہا۔ کہ لڑکیوں کو گھومنا نہیں چاہیے۔ ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتی تھی۔ وہ فرماتی تھیں کہ دل مارنے کی عادت ڈالو جو جی چاہے وہ کر گزرو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر تربیت کے لیے سمجھتی تھیں کہ یہ کام مضر ہے تو اجازت نہیں دیتی تھیں۔ تو دوسری طرف محبت غالب آجاتی تھی۔ اس کا بدل یہ کرتی تھیں کہ کوئی بہت دلچسپ

قصہ کہانی وغیرہ سنانے لگتیں۔ اس وقت مجھے قصے سننے کا بڑا شوق تھا۔ اس میں مجھے بہت مزا آتا۔ ہر فرد یہ سمجھتا تھا کہ اس کی سب سے بڑی خیرخواہ وہی ہیں۔ کبھی ان کی بات کا کسی نے برا نہ مانا۔ کبھی انھوں نے کسی پر نکتہ چینی نہیں کی۔ نہ کبھی کسی کو سب کے سامنے سمجھایا۔ اگر کسی کی بات بری لگی تو اکیلے میں سمجھا دیا۔ کہ سب کے سامنے شرمندہ کرنے سے کیا حاصل ان کی انھیں خوبیوں کی وجہ سے خاندان کے سارے لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔

انھوں نے بچیوں کو پڑھانا شروع کیا۔ خاندان کی بہت سی لڑکیوں نے ان سے پڑھا۔ اپنی ماموں زاد بہن کی لڑکی حبیبہ بی مرحومہ کو پورے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھایا۔ جس کو پڑھایا بہت محبت اور تعلق سے پڑھایا۔ میرے ساتھ ان کا تعلق ایسا رہا جیسا ایک ماں کا اپنی اولاد سے ہوتا ہے کوئی غلط بات دیکھی فوراً تنبیہ کی۔ ہمیشہ اس کی فکر کی کہ ساری مسنون دعائیں مجھے یاد رہیں۔ اور باقاعدگی سے پڑھتی رہوں۔ حزب الاعظم کی دعاؤں کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ نماز انھی نے سکھائی اور نماز وقت سے پڑھنے کی بہت تاکید کرتی تھیں۔ سورۂ ملک بہت تاکید سے یاد کروائی تھی کہ اسے روز پڑھا کرو۔ یہ قبر کے عذاب سے نجات دلاتی ہے۔ یہ میری خوش نصیبی رہی اور ہے کہ اللہ نے محبت کرنے والی ہستیاں بخشیں، اللہ تعالیٰ مجھے قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج عائشہ بی ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا

ہو چکی ہیں۔ ان کی صحت کے لیے کتنی کتنی دعائیں مانگی گئیں۔ لیکن جو وقت لکھ چکا وہ ٹل نہیں سکتا۔ خدا کا فیصلہ اٹل ہے۔ وہ وقت آ ہی چکا تھا جو ہر شخص پر آئے گا۔

ساری زندگی اللہ سے محبت میں مٹا دینے والی اس بندی نے اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور اپنے اس مالک سے جا ملیں جو ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے جس کی رحمتوں کا کوئی ٹھکانا نہیں اس رحمت و شفقت والے مالک سے یہی امید ہے کہ انشاء اللہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کا وعدہ کلام پاک میں کیا ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۝ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (ترجمہ) جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں کھوتے۔ اجر اس کا جس نے بھلا کام کیا ان کے لیے باغ ہیں بستی ہیں اس کے نیچے نہریں پہناتے ہیں ہم ان کو وہاں کچھ کنگن سونے کے اور پہنتے ہیں کپڑے سبز پتلے اور گاڑھے ریشم کے۔ لگے بیٹھے ہیں ان میں تختوں پر کیا خوب بدلا ہے کیا خوب آرام ہے"۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی شایانِ شان ان کے ساتھ معاملہ فرمائے ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے۔ اصل زندگی وہی کی ہے جو ایمان کے ساتھ چلا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ ہاں جدائی کا غم تو لازمی ہے، اپنی محرومی کا احساس ہوتا ہے کہ ہم ایک نعمت سے محروم ہو گئے

خاص تیرے سہارے پہ جو آئیں گے
مستحق تری رحمت کے ہو جائیں گے

(نسیم)

عمارت کی بنیاد رکھتے وقت

ہماری خدمات

حاصل کیجئے

اسٹار

برک ورکس

مالک

محمد رفیع صدیقی

صدیقی ہاؤس

صحبتیا باغ راجہ بازار لکھنؤ

فون نمبر 82401

امۃ اللہ تسنیم میری نظر میں

عبدالرحمٰن نوروئی۔ مکہ مکرمہ

اللہ رب العزت نے مومنین کے لیے جو درجات اور مقامات رکھے ہیں وہی مومنات کے لیے بھی رکھے ہیں۔ مرد اگر صالحین سے ہے تو عورت بھی صالحات میں سے ہو سکتی ہے۔ مرد اگر قانتین سے ہے تو عورت قانتات سے ہو سکتی ہے، مرد متصدقین سے ہے تو عورت متصدقات میں سے ہو سکتی ہے غرض اس قرآنی بیان میں کسی کو شک و شبہ ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ امۃ اللہ تسنیم رح کو ان کی علمی اور دینی حیاۃ صالحہ کی وجہ سے انھیں درجات میں شمار کرنا بے جا نہ ہوگا۔

اس ناکارہ کو اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں یعنی قریب پچیس سال قبل اس مرحومہ کے علم اور ذہانت کا پہلا تعارف ان کی کتاب "زاد سفر" (ترجمہ ریاض الصالحین) پڑھتے وقت ہوا تھا۔ مجھے ٹھیک یاد ہے، اس وقت میں اپنی ناقص عقل کے ماتحت حیران تھا کہ احادیث کی اس مقبول عربی کتاب کا اردو ترجمہ کس طرح ایک عورت بھی کر سکتی ہے، سچ پوچھو تو کوئی عورت اس حد تک عالمہ فاضلہ ہو سکتی ہے، اس کا علم بھی مجھے اس وقت ہی ہوا۔ اور اس چیز سے متأثر ہو کر ہندوستان کی اپنی پہلی سفر سے واپسی پر "زاد سفر" کے دو نسخے

اپنے ساتھ حجاز لے آیا۔

اردو پڑھنے والی اکثر و بیشتر خواتین ان سے "رضوان" کے ذریعہ غائبانہ تعارف رکھتی تھیں بلکہ صرف تعارف ہی نہیں ان سے محبت و عقیدت بھی رکھتی تھیں۔ "رضوان" پڑھنے والی ہزار ہا مائیں، بہنیں اور لڑکیاں صرف برصغیر ہند و پاکستان ہی میں نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی اس مرحومہ سے کافی متعارف ہو چکی تھیں۔ "رضوان" ویسے تو ایک مختصر اور چھوٹا سا رسالہ ہے مگر اس کی تحریر میں اخلاص اور صداقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ دینی، اخلاقی و معاشرتی اور گھریلو زندگی کے لئے نہایت مناسب اور مفید مضامین پیش کئے جاتے اور وہ بھی نہایت سادہ اور سلیس اردو میں بالکل عورتوں ہی کی زبان میں داستان سرائی ہوتی ہے۔ جسے گھر کی مصروف خواتین بھی بڑی آسانی اور ذوق و شوق کے ساتھ پڑھ لیتی ہیں۔ اور ایک بار یہ رسالہ پڑھنے کے بعد گویا اس کا چسکا اور عادت پڑ جاتی ہے۔ خود اس ناکارہ کے گھر کا یہی حال رہا۔ "رضوان" بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا رہا۔ بدقسمتی سے یہاں اتنی دور اس کی وصولی کافی دیر سے ہوتی ہے۔ کبھی تو دو دو تین تین مہینے بعد دو دو "تین تین" پرچے اکٹھے مل جاتے ہیں اور اتنا انتظار پڑھنے والوں پر شاق گزرتا ہے۔ آخر احقر نے اپنے جدہ اور مکہ دونوں پتوں پر منگانا شروع کیا۔ تاکہ کسی ایک جگہ شاید اس کے پرچے جلد مل جائیں۔ سو کہنا یہ ہے کہ یہ ساری باتیں اور اس کے اشتیاق اور مقبولیت کی وجہ اصل میں اس اخلاص، تقویٰ اور خدمتِ خلق کے وہ جذبات تھے۔ جو "رضوان" کی مرتبہ مرحومہ میں اللہ تعالیٰ نے رکھے تھے۔

اور اسی لئے "رضوان" کی پڑھنے والی اس کی تحریر میں ایک طرح کی کشش اور تاثیر محسوس کئے بغیر نہ رہتیں۔

اللہ جل شانہٗ کی رحمت سے بعید نہیں کہ اسی "رضوان" کی خدمات کے صلہ میں اللہ مرحومہ کی بخشش فرما دے۔ اس پرفتن زمانہ میں ایسی صالحہ کا وجود غنیمت تھا اور ان کی جدائی کی کمی آنے والے کئی سالوں تک تمام نسوانی عالم میں محسوس ہوتی رہے گی۔

زمانہ ایسی نایاب اور کارآمد ہستیوں کا بدل دینے میں ہمیشہ قاصر رہا ہے ان کے نعم البدل کی امید رکھنا تو کجا ان کا بدل بھی ملنا آج کہاں ممکن ہے۔ خیر احقر کی دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنی پرخلوص خدمات کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے۔ اور اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اور ان کا "رضوان" حقیقی معنوں میں ان کے لیے جنت میں "رضوان" بن جائے۔

اللھم اغفرلھا وارحمھا والحقھا بالعابدات الصالحات ۰

مکمل داءدواء **خوشخبری** مکمل داءدواء

وہ خواتین جو اندرونی بیماریوں میں مبتلا ہیں اور علاج معالجے سے عاجز آگئی ہوں صرف ایک مرتبہ خدا پر بھروسہ کرکے ایک کورس کھا کر حیرت انگیز طور پر کلی صحت حاصل کریں مرض خواہ کتنا پرانا ہو انشاء اللہ یقینی صحت ہوگی۔ مکمل اعتماد کریں۔

پتہ مولوی محسن اختر قصبہ رسڑا ضلع بلیا۔ یو۔پی

ٹیلی گرام: "خمیرہ"

TRADE MARK

ٹیلی فون نمبر ۸۲۸۰۳

خمیرہ مُشکی

ہمارے یہاں
حُقّہ چھاپ
قائم گنج کا گردہ
پوربی، کمپلا، اور دانہ کٹکی
بکفایت فروخت ہوتا ہے۔

آزاد بھارت تمباکو فیکٹری

مینوفیکچررس
آف ہائی کلاس خمیرہ تمباکو
نادان محل روڈ۔ لکھنؤ۔

عائشہ بی کے شب و روز

میمونہ حسنی

عائشہ بی کے معمولات کو کیا لکھا جائے، بس مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ انکی پوری زندگی عبادت تھی۔

صبح صادق سے قبل اٹھ کر تہجد میں سرگرم عبادت ہونا اور پھر اسی مصلے پر صبح کر دینا، ان کی عادت تھی، سورج نکلنے کے بعد اشراق پڑھتیں، اشراق کے بعد دوسری ضروریات سے فارغ ہو کر تسبیحات شروع کرتی تھیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ دیگر معمولات اور تجارت کی معروفتیں ان کو مشغول کر دیتیں، دس بجے چاشت کا وقت آجاتا، چاشت پڑھ کر ان کی معروفیت بڑھ جاتی، مختلف کام چلتے ہی رہتے، اور تسبیحات بھی پڑھتی رہتیں، اس سارے وقت میں عائشہ بی کو ایک لمحے کی فرصت نہ ہوتی، لوگ آرزو ہی کرتے کہ کچھ وقت ہمیں ان کی فرصت کے وقت حاضر ہو جانے کا مل جائے مگر دوپہر سے قبل اس کا موقع بالکل نہ ملتا، کھانے کے بعد جب کہ انکے آرام کا وقت ہوتا اور کاموں سے فارغ ہوتیں تو ہم لوگ خدمت میں حاضر ہوتے۔

ظہر بعد وہ تلاوت کلام پاک فرماتیں، اسکے بعد تھوڑی دیر ہم سب سے گفتگو کرتیں۔ تھوڑے وقفہ کے بعد عصر ہو جاتی، نماز عصر سے فراغت کے بعد پھر تسبیحات شروع فرماتیں، اسکے بعد وہ قرآنی سورتیں تلاوت فرماتیں، جو سورہ رحمٰن، سورہ قیامہ

سورہ دہر وغیرہ پر مشتمل ہوتیں۔ جو وقت پڑھنا شروع فرماتیں بے اختیار میں متوجہ ہو جاتی اتنی تیز رفتاری سے تلاوت فرماتیں کہ ذہن ساتھ نہ دے پاتا۔ ایک بار مجھ سے کہا کہ میں کوئی سورہ سن لوں۔ حکم کی تعمیل میں کلام پاک لے کر حاضر ہوئی۔ لیکن جب تلاوت فرمائی تو تیز رفتاری کے باعث نظریں ساتھ چھوڑ گئیں، مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ ذرا آہستہ پڑھیے تاکہ میں ساتھ دے سکوں۔

قرآن پاک سے عائشہ بی کو بہت ہی تعلق تھا اس کی دلیل وہ بیشمار آیات قرآن پاک اور سورتیں ہیں جو انھیں حفظ تھیں، فرمایا کرتی تھیں کہ "اب ہم فکروں کی وجہ سے کچھ بھولنے لگے ہیں ورنہ ہمیں کلام مجید کی، تقریباً ہر سورہ کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ وہ کہاں اتری، کیسے اتری، اور وجہ نزول کیا تھی، سورہ البقرہ، سورہ رحمٰن، سورہ واقعہ، سورہ قیامہ، سورہ ملک، سورہ یٰسین، سورہ دھر، سورہ حٰم سجدہ، سورہ فتح، سورہ جمعہ اور سورہ دخان انھیں یاد تھیں اور مختلف اوقات میں تلاوت فرمایا کرتیں سورہ دخان شاید تہجد میں پڑھتیں اور کچھ سورتیں جیسے سورہ رحمٰن سورہ واقعہ سورہ قیامہ عصر و مغرب کے درمیان تلاوت کرتیں، انکے علاوہ بھی بہت سی سورتیں اور پارے جو انھیں حفظ تھے۔ اسی طرح ادعیہ ماثورہ کثرت سے یاد تھیں۔

آندھی اور گرج چمک سے بہت پریشان ہوتی تھیں، کوئی بھی آسمانی آفت آتی تو اضطراب ہوتا تھا، فوراً سورہ البقرہ شروع فرما دیتیں اور جب تک آسمان صاف نہ ہو جاتا، اضطراب دور نہ ہوتا، بس دعائیں مانگتی رہتیں، یہ بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل تھا۔ جس کے تحت انکی پوری زندگی گذری

آپ کے صفات میں سے ایک امتیازی صفت یہ بھی تھی کہ سب کے سامنے ڈانٹنے

اور ملامت کرنے سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ بڑے تو بڑے چھوٹوں کو بھی کسی کے سامنے نہ ڈانٹنا نہ نصیحت کی، جبکہ اس معاملہ میں مکمل با اختیار تھیں۔ مگر ہمیشہ اکیلے میں ہی نصیحت کی۔ ہر بات نرم لہجے میں ہر نصیحت میٹھے انداز میں کرتیں یہ بات انہی میں تھی کہ ان سے بڑے چھوٹے یکساں خوش رہے۔ اور انھیں ہر دلعزیزی حاصل رہی، انکی شخصیت بڑی باوقار تھی۔ لڑکیاں ہر وقت گھیرے رہتیں خود وہ لڑکیوں پر بے حد شفقت فرماتیں اور ان کے کاموں میں دلچسپی لیتیں تھیں۔

پورے دن میں تھوڑا وقت تعویذات و عملیات میں بھی گذر جاتا تھا۔ عورتیں آتیں اور تعویذ کی فرمائش کرتیں مگر کبھی خفا نہیں ہوئیں، باوجود بیماری کے پریشانی اٹھا کر تعویذ لکھتی تھیں۔ دن بھر میں عائشہ بی کا وقت ظہر اور مغرب کو فارغ ہو کر اپنی تازہ مناجاتوں اور نعتوں پر نظر ثانی کرنے کا کام اسی وقت کرتی تھیں، کسی نے ان کو غیبت کرتے ہوئے شاید ہی کبھی سنا ہو۔ ان کی یہ نصیحت تھی کہ "اگر غیبت کی عادت چھڑانا ہو تو غیبت کے بعد دو رکعت نفل توبہ کی بطور جرمانہ ضرور پڑھ لیا کرو یہ خراب عادت انشاءاللہ جاتی رہے گی۔ زیادہ بولنے سے بھی احتراز کرتیں، یہاں تک کہ ہم لوگ حاضر ہوتے تو اکثر خاموشی ہی رہتی، ضرورت پر بولتیں اور مختصر بولتی تھیں معمولات میں دوشنبہ خاص دن تھا، ہر دوشنبہ کی رات کو خواتین کا اجتماع کرتیں، اس اجتماع سے قرب و جوار میں خاصا فائدہ ہوا۔ قریب کی بستی کی رہنے والی ایک خاتون جن کو ہم لوگ حلیمہ اماں کہتے ہیں، وہ عائشہ بی کی خدمت کرتی تھیں اور بہت معتقد تھیں وہ بتاتی ہیں کہ "پہلے ہم کیا تھے؟ اور کیسے تھے؟ اب عائشہ بی کی تاثیر صحبت سے ہم پر کتنا اثر پڑا کہ کیسی کیسی عائشہ بی ہمیں نصیحتیں کرتی تھیں کہ "دیکھو حلیمہ کبھی کسی سے

سوال نہ کرو، صرف اللہ سے مانگو، وہی ہے دینے والا۔ کسی سے ہم خفا ہوئے تو تھوڑا ہمیں سمجھایا کہ سوائے اللہ کے کسی سے امید نہ رکھو۔ غیبت نہ کرو، برا بھلا نہ کہو، صبر میں بڑی بھلائی ہے۔"

دعاؤں پر بہت ہی عقیدہ تھا۔ بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی دعائیں انھیں سب یاد تھیں اور پڑھا کرتیں۔ حزب الاعظم روزانہ پڑھنا معمول تھا۔ جتنی دعائیں پڑھتی تھیں اور قرآنی آیات پڑھ کر سب روزانہ پانی پر پھونکتی تھیں اور لوگ بیماروں کو پلانے کے لیے اس پانی کو لے جاتے اور اللہ کے حکم سے بیمار شفایاب ہوتے۔ عائشہ بی فرماتی تھیں کہ دعاؤں کے ذریعہ مدد چاہو یہی دعائیں کام آئیں گی۔

فرمایا کرتی تھیں کہ حدیث پاک میں ہے کہ قرب قیامت میں کوئی چیز مدد نہ دیگی سوائے کلام اللہ کے۔ ادعیہ ماثورہ اتنی کثرت سے یاد تھیں کہ ایک دفعہ مجھے تاکید فرمائی تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ساری دعائیں یاد کرلوں، اسی ضمن میں انھوں نے مجھے وہ ساری دعائیں پڑھ کر سنائیں جو حفظ تھیں اور جن کا ورد اوقات متعینہ میں وہ فرمایا کرتی تھیں۔ میں سن کر حیران ہی رہ گئی۔

اس سب کے باوجود تواضع اتنی تھی کہ کبھی کسی پر اپنے علم کا اظہار نہ فرمایا اور نہ اپنے کو کسی بھی حیثیت سے بڑا سمجھا۔

پڑھانا بہت دن سے چھوڑ دیا تھا مگر جب بھی کوئی خاص آدمی فرمائش کرتا تو انکار نہیں کرتی تھیں۔ کوئی علمی سوال ہم لوگ کرتے تو اتنا شافی جواب عنایت فرماتیں کہ دل کو پورا اطمینان ہو جاتا۔ اسی طرح عائشہ بی کی رائے اور مشورہ بہت دقیق ہوتا تھا۔

پچھلی قوموں پر جو عذاب آئے ان سب کا تذکرہ پہلی بار عائشہ بی ہی کی زبانی سنا اور بعد میں بھی وہی واقعات ان سے سنتے رہے، جس کی بنا پر دل پر سب نقش ہو گئے۔ اسی طرح کوئی بھی مصیبت آئی یا مشکل پیش آئی سب سے پہلے عائشہ بی نے یاد دلایا کہ عذاب الٰہی سے پناہ مانگو

عائشہ بی نے قدم قدم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خیال فرمایا اور ان کی پوری زندگی اسی کی آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کا اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نئی تصانیف

پرانے چراغ ملی زندگی کے مختلف کے چند مشاہیر اور ارباب علم و دانش کے حالات و سوانح اور کارناموں کا ایک دل آویز قلمی مرقع جس کو پڑھ کر روح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ قیمت ـ ۱۶ روپے

جب ایمان کی بہار آئی رائے بریلی کی تربیت گاہ سے بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ایمان و یقین اسلامی اخلاق اور جہاد و قربانی کی پُر درد داستان، شروع میں سید احمد شہید کی سیرت کا مکمل خلاصہ، اس کے بعد منتخب اثر انگیز واقعات، قیمت ـ ۱۲ روپے۔

تعداد ازدواج اس اہم مسئلہ پر ایک عرب فاضل شیخ عبدالعزیز القناعی کی نئی بحث۔ قرآن حکیم اور عقل سلیم کی روشنی میں۔ قیمت، ایک روپیہ ۲۵ پیسے" ہندی ۲ روپے

مکتبہ فردوس ادب (مکارم نگر) بروليا لکھنؤ، اتر پردیش

بہن کے نام خط

(یہ خط اب سے بیس سال پہلے مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب نے اپنی بہنوں کو تحریر فرمایا تھا)

خواہران عزیزان سلمہا

دعائے فلاح دارین کے بعد معلوم ہو کہ تمہارا مسرت نامہ پہونچا اس کو دیکھ کر خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا، خوشی اس پر ہوئی کہ میرے خط نہ لکھنے سے تمہیں فکر اور شکایت ہوئی، اس سے تمہاری محبت کا اندازہ ہوا، ایک بھائی کو اپنی بہن سے اسی محبت کی توقع رہتی ہے اس محبت کا اندازہ ہونے سے میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

افسوس اس لیے ہوا کہ محض میری کاہلی سے یا رمضان المبارک اور اسکے بعد گرمی کی شدت اور کچھ مصروفیتوں کی وجہ سے خط لکھنے میں کوتاہی ہوئی اس سے میں نے تمہارے دل کو فکر میں مبتلا رکھا، یہ فکر بھی محبت ہی کی وجہ سے تھی۔ محبت کی فکر وگداز بھی لطف سے خالی نہیں، خصوصًا جب غلط فہمی کی بنا پر ہو اور وہ غلط فہمی پھر رفع ہو جائے۔

میں تمہارا بھائی ہوں، بھائی کو بہن سے جو محبت ہوتی ہے وہ بفضلہ تعالیٰ پوری مجھ میں موجود ہے۔ اور اس میں کبھی کمی نہیں آئی۔ بعض وقت دل میں شکایت آئی تو وہ بھی محبت ہی کا کمال تھا، اب تو کوئی شکایت بھی نہیں ہے، مگر محبت اپنے کمال پر ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہیں بھی ویسی ہی محبت ہے، امید کہ تمہیں پورا اطمینان ہو گیا ہوگا۔

عبد العلی

۱۷ر شوال المکرم

تازگی اور رعنائی خیال
سکہ بیڑی کا یہ ہے کمال

نثار بیڑی سکہ ۱

نفاست اور پاکیزگی
سے تیار کی ہوئی

اپنے قریبی دوکاندار سے طلب کریں

نثار بیڑی سکہ مار رائے بریلی

موٹر سائیکل کے پارٹس کے لئے
اعتماد، اطمینان ضروری ہے
ہم کو خدمت کا موقع دیجئے
چوراہا
لال باغ
نزد شیش محل ریسٹورنٹ، لکھنؤ

اہل علم و قلم کی نظر میں

— ادارہ

مندرجہ ذیل سطور میں ان علم قلم کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں جنھوں نے امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کے انتقال پر تعزیت کے طور پر پیش کئے۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب | رفیقِ محترم مولانا علی میاں کی ہمشیرہ صاحبہ..... صاحبِ علم و فضل اور صاحبِ قلم تھیں۔ خواتین کے دینی ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ کی ادارت میں اپنے بھانجے مولانا محمد ثانی صاحب کے ساتھ شریک تھیں۔ حدیث میں امام نووی کی مشہور و مقبول کتاب "ریاض الصالحین" کا ترجمہ اب سے بہت پہلے کیا تھا جو "زادِ سفر" کے نام سے دو جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اور دینی حلقوں میں مقبول ہے۔ انشاء اللہ آخرت میں وہ ان کا بہترین زادِ سفر ہوگا

مرحومہ اپنی بابرکت والدہ ماجدہ (محترمہ خیر النساء صاحبہ) کی طرح اس دور کی خواتین کے لیے بہترین نمونہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے۔

حکیم عبدالقوی صاحب دریابادی | ۲۸ر جنوری کو ایک بڑی ہی بزرگ و دیندار خاتون قرونِ اولیٰ کی یاد دلانے والی شخصیت محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ وفات پاگئیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن) مرحومہ مولانا حکیم

سید عبدالحی صاحب (مرحوم) سابق ناظم ندوۃ العلماء مصنف نزہتہ الخواطر کی صاحبزادی، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بہن تھیں۔ عبادات کی شدت سے پابند معاملات کی بڑی کھری تھیں، دعا سے خاص ذوق رکھتی تھیں اور مستجاب الدعوات سمجھی جاتی تھیں دوسروں کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر رکھی تھی، دینی تعلیم کے ساتھ اردو ادب کا بھی اچھا ذوق رکھتی تھیں، تلاوت سے خاص شغف تھا ان کی مناجاتیں اور نعتیں بڑی پُرکیف اور موثر ہوتی تھیں۔

مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار ہمشیرہ محترمہ کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع ملی "کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" حق تعالیٰ ان کے مراتب بلند فرمائے ان کے لیے امت مسلمہ کے خاصے بڑے حلقے میں احترام اور عقیدت کا جذبہ موجود ہے ان کی تحریروں نے بڑی خدمت انجام دی ہے "زادِ سفر" ان کا ایسا شاہکار ہے جو مدارسِ دینیہ اور دینی حلقوں کے لیے "تحفہ" اور ان کے لیے صدقۂ جاریہ ہے، جامعہ رحمانی اور اس سے متعلق تمام مدارس میں یہ کتاب نصاب میں داخل ہے اور بہت سے مقامات پر اور بہت سارے لوگوں کو میں نے مجلسوں میں "زادِ سفر" اور معارف الحدیث پڑھنے کا مشورہ دیا ہے اور بحمد اللہ بہت سے خدا کے نیک بندے اس پر عمل کر رہے ہیں اسطرح ہمشیرہ مرحومہ اعلی اللہ مکانہا کی خدمت حدیث مقبول ہوئی، اور صدقۂ جاریہ کے طور پر اس کا ثواب ان کو ملتا رہے گا۔

مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواری شریف (پٹنہ) ہمشیرہ مکرمہ کے حادثۂ رحلت

کی اطلاع رسالۂ رضوان سے ملی (انا للہ وانا الیہ راجعون) سخت صدمہ اور ملال ہوا کہ طبقۂ نسواں کی ایک عالمہ اور معلمہ نے اس طبقہ سے جدائی اختیار کی خیا حسرتا آپ کی تو ہمشیرہ تھیں جتنا صدمہ آپ کو ہوگا ظاہر ہے، لیکن حدیث نبوی "الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ" کی یاد دہانی کے ساتھ بندہ آپ کو تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے حق تعالیٰ مرحومہ کو جوارِ رحمت اور جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ سب لوگوں کو صبر و سکینت عطا فرمائے صحیح اور حق ہے جو کسی فارسی شاعر نے کہا ہے۔

ہر آنکہ زاد بہ ناچار بایدش نوشید ز جامِ دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

"رسالہ رضوان لکھنؤ میرے گھر کی عورتیں خصوصاً بچیاں بہت پابندی سے پڑھتی آرہی ہیں چونکہ رسالۂ مذکور کی خریداری میری بڑی بچی ولیۃ الرسول سلمہا کے نام بالکل ابتدا سے چلی آرہی ہے اس لیے گھر کی تمام عورتیں مرحومہ بہن امۃ اللہ تسنیم غفر اللہ لہا کی مصلحانہ مساعی اور دینی نظم و نثر سے بے حد متاثر ہیں اور ان کو اپنی معلمہ مشفقہ مانتی ہیں یہ سب حادثہ سے ملول ہیں اور تعزیت پیش کرتی ہیں اور اس طرح آپکے گھرانہ کے اس غم میں میرا گھر بھی شریک ہے۔

بنالِ بلبل اگر با منت سر یاری ست کہ ما دو عاشقِ زاریم و کارِ ما زاری ست

مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی (دہلی) اخبارات سے ہمشیرہ محترمہ مرحومہ کی رحلت کی اطلاع ملی (انا للہ وانا الیہ راجعون) افسوس ایک عابدہ، زاہدہ، عالمہ پیکر تقدس و تقوی ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئیں، مرحومہ اپنی خصوصیات میں بے مثال تھیں خواتین میں تو یہ کمالات کبریت احمر کا درجہ رکھتے ہیں آپ پر اس سانحہ کا غیر معمولی اثر ہوگا، اللہ تعالیٰ توفیق صبر و رضا سے نوازیں، میں نے ازراہِ تعلق خاص مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت خاص بھی کی ہے اور ایصال ثواب بھی۔

مولانا قاضی زین العابدین صاحب (میرٹھی) فاضلہ محترمہ ہمشیرہ عزیزہ

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کے یکایک حادثۂ ارتحال کا حال اخبار "الجمعیۃ" میں پڑھا، مجھے اور سب اہل خانہ کو بڑا رنج و ملال ہوا، مرحومہ سب گھر والوں میں متعارف تھیں ان کا ماہنامہ "رضوان" آتا رہا تھا اور بچیاں اور ان کی والدہ اس کو بڑے شوق سے پڑھتی تھیں اور فاضلۂ مرحومہ کے مضامین نظم و نثر سے محظوظ ہوتی تھیں، انھوں نے اپنے قلم سے بھی دین و ملت کی بڑی خدمت کی اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں قیام کرامت عطا فرمائے اور آپ کو اور دیگر متعلقین کو توفیق صبر مرحمت فرمائے۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی الجمعیۃ سے آپ کی خواہر بزرگ حسرت آیات کی خبر معلوم کر کے بڑا دکھ اور صدمہ ہوا، مرحومہ جیسی عالمہ و فاضلہ اور صالحہ و عابدہ بہن سے جدائی کا رنج و ملال آپ کو جتنا بھی ہوگا میں اس کا اندازہ کر سکتا ہوں لیکن بہر حال ان جیسے حوادث پر صبر کا جو اجر ہے وہ بھی آپ پر مخفی نہیں۔

تعز فان الصبر بالحر اجمل ولیس ریب الزمان بعول،

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ توفیق ارزاں فرمائے اور مرحومہ کے مراتب و مدارج آخرت میں بڑھائے (آمین ثم آمین)

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی مرحومہ ایک مثالی خاتون تھیں اس دور کی دیندار خواتین کا جب ذکر آتا ہے تو ان کا ذکر ضرور ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے "رضوان" مرحومہ کی ایک علمی اور مذہبی "یادگار" ہے اس یادگار کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے اس سے ان کی روح کو نشاط حاصل ہوگا اور "رضوان" کی اشاعت ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنے گی۔

مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی دار المصنفین (اعظم گڑھ) میں مرحومہ سے "رضوان" کے ذریعہ جو عورتوں کا پاکیزہ دینی رسالہ ہے عرصہ سے واقف تھا ان کے اصلاحی و دینی مضامین پڑھنے کی سعادت بھی میرے حصہ میں آئی ہے اور یقیناً مجھ کو ان سے فائدہ بھی ہوا ہے اس دور میں یہ فخر و امتیاز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے خانوادۂ عالی کو بخشا ہے کہ زمانہ کی تمام روش کے برخلاف اسکے مرد تو مرد عورتیں بھی دینی تعلیم سے بہرہ ور ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ اب ایسی نیک بخت، عابدہ اور صالحہ خواتین کہاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں اور دینی خدمات کے صلہ میں ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔

جناب رشید کوثر صاحب فاروقی (صدر الشبان المسلمون) مرحومہ صرف آپ کی بہن ہی نہ تھیں دین کی علم بردار بھی دینی کتابوں کی "مصنفہ" بھی، احادیث نبویؐ کی "مؤلفہ" بھی صاحب دل "شاعرہ بھی" اور عابدہ و صالحہ بھی تھیں اللہ آپ کو تسلی دے مرحومہ کی قبر کو کشادہ فرمائے اور نور و عنبر سے بھر دے آپ کو اور آپ کی بہن کو اپنی جنت میں ملائے۔ جہاں آپ اپنے اہل خاندان اور اہل تعلق کے ساتھ عید وصال منائیں اور یہاں دنیا میں اپنی رضا پر راضی رکھے۔

میل من سوئے وصال و قصد او سوئے فراق ترکِ کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

مولانا عبد السلام صاحب قدوائی، دار المصنفین (اعظم گڑھ) بہن امۃ اللہ کے انتقال کی اطلاع ملی، بڑا افسوس ہوا، آپ کی وجہ سے گو پہلے سے واقفیت تھی مگر جب ادارہ تعلیمات اسلام سے انکی کتاب "حضرت رابعہ" شائع ہوئی تو ان کی علمی

اور ادبی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا، پھر اس کے بعد متعدد کتابیں انھوں نے خود لکھیں اور ترجمے کیے، ان کی ساری زندگی نیک عملی سے معمور تھی دعا ہے کہ اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے، ان کے مراتب بلند فرمائے اور اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے۔

جناب مولانا کلیم اللہ نوری (بہرائچ)

مرحومہ نے اس دور میں "ریاض الصالحین" کا ترجمہ فرما کر امت پر بڑا احسان فرمایا، مرحومہ کی دینداری، خدا ترسی، للہیت اور دینی اولوالعزمی پوری امت کے لئے مشعلِ راہ رہے گی۔ صحیح معنوں میں وہ ایک اسلامی خاتون تھیں، جن پر بجا طور پر امت فخر کر سکتی ہے۔

مولانا شاہ صبغۃ اللہ بختیاری (ویلور - این، اے)

صدق جدید لکھنؤ کے ذریعہ یہ خبر وحشت اثر پہونچ گئی کہ آپ کی ہمشیرہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ وصال فرما گئیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ کی والدۂ مرحومہ کے داغ جگر کے بعد داغ دگر ہے۔ اللہ ہمشیرہ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، اور آبائے صالحین اور امہات صالحات کے ساتھ جنت الفردوس میں کرے اور صاحبۂ رضوان کو رضوانِ اکبر سے نوازے اب تو مفصل اور مکمل "سوانح حیات"، صاحبۂ رضا و تسلیم سیدہ امۃ اللہ تسنیم علیہا الرحمہ کی مرتب کیجئے اور "رضوان" کا خصوصی نمبر" نکالیے یہی یادگار رہے۔

آپ کی ہر خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار

یونیورسل ٹرانسپورٹ ایجنسی

بس سروس

لکھنؤ سے سفر کرنے کے لئے ہماری ڈی لکس بسیں

اور

لوڈنگ کے لئے ہماری بہترین مضبوط گاڑیاں

پتہ

یونیورسل ٹرانسپورٹ ایجنسی

فون نمبر ۴۴۲۲۶

یونیورسل بس سروس فون نمبر ۲۲۸۵۷

نزد جے ہند سنیما، لال باغ لکھنؤ

ذکر خیر

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ
مرحومہ کی بزرگ والدہ خیر النساء بہتر صاحبہ کے سبق آموز حالات
مولانا علی میاں صاحب ہی کے قلم سے قیمت: تین روپے

کلید باب رحمت

مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ کے کلام کا مجموعہ۔ قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے
ملنے کا پتہ: مکتبۂ اسلام گوئن روڈ۔ امین آباد لکھنؤ

لاؤڈ اسپیکر پر دور تک آواز پہونچانے کے لئے
ٹرک کو ملک کے گوشے گوشے میں لے جانے کے لئے
کار کی رفتار کو سبک بنانے کے لئے
بیٹری کی حفاظت ضروری ہے۔ اور
بیٹری کی نگرانی، مرمت، چارجنگ اور ری کنڈیشنڈ کے لئے
ہمیشہ یاد رکھئے

بامبے بیٹری

فون نمبر ۲۹۹۰۱
ریپیرنگ اینڈ چارجنگ کمپنی، لال باغ لکھنؤ

عائشہ بی (مرحومہ) کی یاد میں

آہ! ۲۸ر جنوری کی صبح

سید اسحاق حسینی

غم کا عالم طاری ہے　　چشم پُرنم جاری ہے
رنج میں سب ہی ڈوبے ہیں　　سب پہ تاسف طاری ہے
دل میں قیامت برپا ہے　　لب پر آہ و زاری ہے
ذکر خدا و ذکر رسولؐ　　یہ ان کی پھلواری ہے
علم و فن اور فضل و ادب　　باغ کے انکی کیاری ہے
انکی رحلت سے دنیا　　اندھیاری اندھیاری ہے
انکے "زادِ سفر" کی اب　　ہر جانب پھلواری ہے
میری آنکھوں میں ان کی　　شکل بزرگ اور پیاری ہے
ان کو دعائیں دیتا ہے　　جو بھی ان کا قاری ہے
حمد و نعت و مناقب میں　　کیا ان کی گلکاری ہے
صنف شعر لطیف و شریف　　ان کے قلم پر واری ہے
ان پر رب کی رحمت ہو　　سب کی زباں پر جاری ہے
ان ہی پہ کیا موقوف بشر
اک دن سب کی باری ہے

جعفر مسعود حسنی

خدا کو یہی منظور تھا

جب بھی عائشہ بی کے کمرے پر نظر پڑتی ہے عائشہ بی یاد آجاتی ہیں۔ ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی جلدی ہم سب کو چھوڑ کر اپنے اصلی وطن کو چلی جائیں گی۔

کتنی محبت تھی ان کو ہم لوگوں سے۔ کتنی بزرگ ہستی تھی ان کی؟ کتنے لوگوں کو انکی وجہ سے دین سے تعلق پیدا ہوا۔ کتنے لوگوں کو انکے ہاتھوں شفا ہوئی، کتنے لوگ گمراہ ہونے سے بچ گئے۔ ہر آدمی اور ہر لڑکا ان کو اپنا سرپرست سمجھتا تھا۔ ہر دل میں ان کے لیے احترام تھا۔

جب بھی ملنے جاؤ بہت محبت سے ملتیں اور فرماتیں جعفر تم تو ہمارے پاس آتے ہی نہیں ہو۔ کوئی کہیں جانے لگتا تو اس کو قرآن شریف کی آیتیں پڑھ کر ضرور پھونکتی تھیں۔

ان کے غصہ تو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ ہر بچہ کی زبان پر عائشہ بی یہ دے دیجئے، عائشہ بی وہ دے دیجئے، ہوتا مگر کوئی جھنجھلاہٹ نہیں، لوگ ادھار سودا مانگ رہے ہیں، ذرا سا غصہ نہیں، ہم سب بچے جتنا شرارت کریں کچھ نہ کہتیں صرف محبت و شفقت سے سمجھا دیتی تھیں کہ شریر سے شریر لڑکا بھی مان جائے۔ مجھے

بھوئے رنگنے کا بہت شوق تھا۔ بس فوراً جا کر ان سے رنگ مانگ کر لایا کرتا تھا، دس پڑیا ۱۵ پڑیاں مگر زیادہ سے زیادہ بس اتنا کہتی تھیں، جعفر تم بہت رنگ خرچ کرتے ہو یہ کام تھوڑے رنگ میں بھی ہو سکتا ہے، کوئی بات غلط معلوم ہوتی تو فوراً ٹوکتیں اور نصیحت کرتیں اگر کبھی پوری نماز نہ پڑھو تو محبت سے سمجھاتیں، صبح سویرے اٹھنے کی تاکید کیا کرتیں ذکر میں ہر وقت مشغول رہتیں، بیماری سے پہلے ہر ہفتے اجتماع کرتیں۔ جب بھی ان کا ذکر ہوتا ہے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، اگر کوئی کہتا ہے مرحومہ یہ کرتی تھیں انھوں نے یہ کہا تھا تو کان اس کا سننا گوارا نہیں کرتے، دماغ کام نہیں کرتا، اور دل تڑپ جاتا ہے کہ مرحومہ کون؟ عائشہ بی.... مرحومہ؟ خیال بہک جاتا ہے ایک دن تو سبھی کو جانا ہے۔ اپنا اصلی وطن تو وہی ہے، یہ تو ایک سرائے ہے، اس کو سجا کر کیا کرنا اس سے تو اچھا ہے کہ اپنا وہ گھر سجائیں جہاں ہمیشہ رہنا ہے، جہاں ہر طرح کا آرام ہے جہاں وہ ہر چیز ہے جس کی خواہش ہر انسان کو ہوتی ہے۔

جب ان کو اسپتال لے جایا جا رہا تھا تو ہر لڑکا گم سم بنا دیکھ رہا تھا، ہر دل انکے لیے بے چین تھا، ہر دل سے دعا نکل رہی تھی، وہ مسلسل بے ہوش رہیں، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کراہنے کی آواز آجاتی، کبھی کبھی حرکت بھی پیدا ہوتی لوگوں کو ذرا سا سکون ہوتا اور ہم لوگ پوچھتے عائشہ بی اٹھے گا؟ مگر کوئی جواب نہیں صرف آنکھیں کھول کر دیکھتیں اور سب لوگ بیقرار ہو جاتے مگر دعا کے سوا کیا کر سکتے تھے ڈاکٹروں سے پوچھو تو کہتے کوشش جاری ہے معلوم ہوتا تھا اسکے سوا انکے پاس کوئی جواب ہی نہیں ہے... بہر حال اللہ کو یہی منظور تھا اس کی مرضی یہی تھی، بندے کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو بلند سے بلند درجے عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)